حسن نظامی صاحب اور جناب آصف علی بیرسٹر کی رائین رسالہ کے متعلق ثبت ہین، خواجہ صاحب نے اس رسالہ کو ہر شخص کیلئے سودمند بتایا ہی، جو زبان کے آیندہ تغیرات اور تبدیلیون پر قلم اوٹھائے گا، اور جناب آصف علی صاحب نے اس زبان کو، کوکنی آبادی کی زبان سے تشبیہ دیا ہے، پھر اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، جسمین مختلف عنوانون مثلاً "بابو کی بپل ہسم نے تصبیر اچوائی" اور "شمو خان کی بلی قبوتر کہا گئی" وغیرہ مین دو دو تین تین صفحون کے مضامین ہین اور پھر رسالہ کے آخر مین اردو کے مختلف اہلِ قلم کی رائین درج کیگئی ہین، اس مین شبہہ نہین کہ مرتب کی یہ دلچسپ جدت طرازی ہے لیکن یہ شبہہ ہوتا ہے کہ ابھی اردو رسالون کو آئے دن کی گلابی اردو، کی تحریرون سے نجات نہین ملی ہے، اب کہین ان مین اس نرالی اردو کی ہوا نہ چل جائے اگر مرتب دیباچہ مین اصل اردو اور اس "نرالی اردو"، کے چند چند جملون کو آمنے سامنے رکھ کر دونون مین فرق دکھا دیتے اور دونون کے لب ولہجہ طریق ادا اور جملون کی نشست کے فرق کی طرف اشارات کردیتے تو مناسب ہوتا،

اردو گلستان از مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سابق مالک و اڈیٹر الخلیل، ۲۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی [illegible]

چھپائی اور کاغذ اعلیٰ [illegible] قیمت [illegible] مجلد [illegible] [illegible] خیابان گیجرا [illegible] محض "لال ونہال" [illegible]

اردو گلستان [illegible] کر [illegible]

[illegible] گلستان [illegible] مشروط [illegible] ہین، جناب حجد [illegible]

[illegible] معلوم اور بعض غیر معلوم اشخاص نثر کا نثر اور نظم کا نظم مین کرچکے ہین لیکن مولوی خلیل الرحمن صاحب نے سب سے موجودہ سلیس اردو مین منتقل کیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی نثر کا نثر اور نظم کا نظم مین ہے، یہ بھی کوشش کی ہے، کہ گلستان کے ضرب الامثال فقرون کو حتی الامکان ایسے اسلوب مین ادا کرین، جو اردو کے ضرب الامثال کی ترکیبون کے مماثل ہون، ہم نے اس ترجمہ کو جابجا سے دیکھا، اگرچہ کہین کہین لفظی ترجمہ معلوم نہین ہوتا ہے، لیکن ترجمہ نہایت صاف سلیس، روان اور حتی الامکان لفظی کیا گیا ہے، ابتدا مین ایک مقدمہ ہے، جسمین گلستان کے مختلف ترجمون اور شیخ سعدی کا مختصر تعارف ہی،

"س"

جلد سی ام	ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۳۵۱ھ، مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

سیرۃ کی چوتھی جلد بحمد اللہ حسب وعدہ وسط ستمبر مین شائع ہوگئی، پہلا اڈیشن حسب دستور بڑی تقطیع پر چھپا ہے، اسی تقطیع پر سیرت کی دوسری اور تیسری جلدون کے کچھ نسخے بھی دفتر مین موجود ہین، چونکہ ان نسخون کو جلد از جلد فروخت کرنا ہے اس لیے اس تقطیع کی دوسری اور تیسری جلدون کی قیمتون مین مناسب تخفیف کردی گئی ہے،

پنجاب کے اہل علم اصحاب نے " ادارۂ معارفِ اسلامیہ " کے نام سے ایک خالص علمی مجلس کی بنیاد ڈالی ہے جس کے مقاصد یہ ہین (۱) ہندوستان کے تمام محققین علوم اسلامیہ کے درمیان اشتراک عمل اتحاد ذہنی و اجتماعی [illegible] ہم کرتے رہنا... [illegible] پہنچانا (۲) محققین کی ایسی مشکلات کو حل کرنا اور اوقات ان کے مشاغل علمیہ مین حتی الامکان رفع کرنے کی کوشش کرنا، (۳) محققین کو نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت کی غرض سے جمع کرنا، [illegible] کے مستشرقین کو وقتاً فوقتاً افادۂ علمیہ کی غرض سے دعوت دینا، (۵) ارتقاے تمدن اسلامی کے سلسلہ مین اسلام کی مختلف خدمات کو منظر عام پر لانا (۶) عام طور پر اسلامی تحقیقات کے لیے قوم مین تحریص و تشویق کی تحریک جاری رکھنا، (۷) آمدنی کافی ہونے پر ایک دار الکتب ایک دار الاشاعت اور مشرقیات کا ایک دار النفائس (میوزیم) کھولنا،

اس ادارہ کی وسعت کار حسب ذیل ابوان پر مشتمل ہوگی' ادبیات و لسانیات، اخبار و آثار جغرافیہ و سیاحت، مذہبیات فلسفہ عمرانیات، فنون لطیفہ علوم حکمیہ صنعت و حرفت، اور قومیات، ان تمام علوم و فنون کے الگ الگ دائرے ہونگے، اور انکے متعلق تحقیق و تلاش کا کام ہوگا، اور مجوزہ کتبخانہ مین اس کے متعلق کتابین اور سامانِ تحقیق فراہم ہونگے،

اس وقت تک اسمین لاہور کے اورنٹیل کالج ٹریننگ کالج اور اسلامیہ کالج کے مسلمان پروفیسرون نے شرکت کی ہے، اور سر اقبال اور سر عبد القادر نے انکی رہنمائی اور سربراہی قبول کی ہے، رکنیت کے لیے پانچ روپیہ سالانہ اور اس کے کسی عام علمی جلسہ مین شرکت کی فیس دو روپیہ ہوگی، مجلس نے امراے اسلام کے دستِ کرم کو اپنی امداد کے لیے جنبش دی ہے اور سب سے پہلے اسکی اعانت کے لیے وہ ہاتھ اٹھا ہے، جو ہمیشہ اس قسم کے کامون کے لیے اٹھا کرتا ہے، یعنی اعلیٰ حضرت سرکار نظام خلد اللہ ملکہ نے اس کیلئے دو ہزار سالانہ کی اعانت منظور فرمائی ہے،

مجلس کا ارادہ ہے کہ آیندہ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۳ مین لاہور مین اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرے، اور تمام اہل علم اور ماہرین علوم اسلامیہ سے درخواست کی ہے کہ وہ اس مین شرکت کرین اور کسی مسئلہ پر اردو مین یا عربی و فارسی یا انگریزی مین کوئی تحقیقی مقالہ پیش کرین، خط و کتابت کا پتہ پروفیسر شیخ محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور،

[illegible] کا پرچار کرنا، بلکہ اپنی کوششون سے ہندی کو اس ملک کی عام مشترکہ زبان بنانا ہے، اس نے ایک کارکن ہند [illegible] پچیس ۲۵ برس خدمت کرنے کے بعد عزلت گزینی اختیار کی ہے، اس کارکن کی یادگار، اور اس کے خدمات کے اعتراف مین سبھا نے یہ طے کیا ہے کہ اس کے نام پر ہندی اور قدیم ہندوستان کے متعلق محققانہ مضامین کی ایک جلد تیار کرے، اور اس کی تالیف کی وسعت مین ہندو مسلمان دونون کو شریک کرنا چاہا ہے،

ہم نے کسی پچھلے مہینہ کے شذرات مین ہندو مسلم نا اتفاقیون کی ذمہ داری عدالتون اور کالجون کے کارفرماؤن کے سر ڈالی تھی، اس سے متاثر ہوکر، ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ) نے اپنے ہم پیشہ احباب (استادانِ کالج) کی طرف سے اس الزام کو دور کرنا چاہا ہے، اور تجویز کی ہے کہ الزام و شکایت

کے بجاے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی صحیح اسلامی تاریخ کی تحقیق و ترتیب کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جائے،

ہم آیندہ پروفیسر موصوف کا مضمون اور اپنا اس کے متعلق خیال پیش کرینگے،

دیسی زبان مین اعلی تعلیم کا خیال بحمد اللہ کہ اب خیال کی دنیا سے نکل کر عمل کی دنیا مین قدم رکھ رہا ہے، چنانچہ ہندوستان کی سب سے پرانی انگریزی تعلیم گاہ کلکتہ یونیورسٹی کے ارکان نے یہ طے کیا ہے کہ آیندہ میٹرک تک کی تعلیم دیسی زبان مین دیجائیگی، اس مبارک خیال کی جس قدر تائید کی جائے وہ کم ہے، لیکن اس دیسی زبان سے مقصود کیا ہے ؟ غالباً بنگالی ہے، اور اب شاید اسی طرح دوسرے صوبون کی یونیورسٹیان اپنے اپنے صوبہ کی زبانون مین تعلیم کا دروازہ کھولینگی، ادھر سیاسی و انتظامی اسکیم کے مطابق ہر صوبہ کی حکومت خود مختاری کی کوششون مین مصروف ہے، اب ایسی حالت مین جب کہ سیاسی و انتظامی اور نیز زبان کی حیثیت سے بھی ہر صوبہ الگ ہوگا، تو مشترکہ ہندوستان کے اشتراکات عمل اور رشتہ ہائے اتحاد کے لیے کیا چیز باقی رہ جائے گی ؟ کیا اگر اہل ہند کسی مشترکہ نظام حکومت پر انگریزون کی مداخلت کے سبب غور نہین کرسکتے، تو کیا کسی مشترکہ نظام تعلیم اور متحدہ زبان تعلیم کے مسئلہ پر بھی غور نہین کرسکتے،

پروفیسر رامن نے جنکو نوبل پرائز امسال ملا ہے، گذشتہ ماہ اگست مین بمبئی یونیورسٹی کے جلسۂ اسناد کی صدارتی تقریر کے سلسلہ مین کتبخانۂ اسکندریہ کی اس مشہور داستان کو کہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جلا کر خاک کیا گیا، اس طرح سے ادا کیا کہ لوگون کو ہنسی آگئی، ہمین یہ معلوم ہے کہ پروفیسر موصوف سائنس کے ماہر ہین، اور انھین تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہین، تاہم انکی جیسی ہستی کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ اُن کے سنجیدہ خطبہ مین یہ مضحکہ انگیز فقرہ شامل ہو، کیا اس جھوٹ کی وہ عالمگیر تردید جو خود یورپ مین محققین نے بارہا کی ہے، اسکی صداے بازگشت ابھی بنگال کے دار التجربہ مین نہین پہنچی ہے،

مقالات

ایمان و عمل،

از چودھری غلام احمد صاحب پرویز ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ،

(۲)

ممکن ہے کہ سورہ بقرہ کی اُس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا الآیہ جس کا حوالہ نمبر ۷ مین گذرا ہے یہ شبہ ہو کہ جب پہلے ان الذین اٰمنوا آچکا ہے (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہین) تو بعد مین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر کی ان کے لیے کیا ضرورت پیش آگئی، واضح ہو کہ قرآن کریم مین تائید اور استقامتِ ایمان کیلئے ایسا اکثر آیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے،

۱۴- یا ایها الذین اٰمنوا۔ اٰمنوا باللہ و رسولہ . . . (النساء ع ۱۳۶)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر . . . . .

اور مومن کی تعریف ہی یہ بتائی گئی ہے کہ

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا . . . . صدقون (حجرات ع ۱۵)	مومن صرف وہ ہین جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر انمین کوئی شک و شبہ نہ رہا، اور اللہ کے راستہ مین مال وجان سے جہاد کیا، یہ لوگ ہین سچے،

بعض لوگون سے ایک اور اعتراض بھی سنا گیا ہے، قرآن کریم مین ہے،

۱۵- وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان هودا او نصریٰ	یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) کہتے ہین کہ یہودی یا نصرانی کے سوا اور کوئی جنت مین داخل نہین ہو سکیگا

.... یہ ان کی بیجا امنگیں ہیں، ان سے کہئے کہ اگر یہ سچے

.... صدقین (۱۱۱) ہیں تو کوئی دلیل اپنے دعوی کے اثبات میں لاوین

اعتراض کیا جاتا ہو کہ جب جنت کی ٹھیکہ داری، یہود و نصاریٰ کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے تو یہی چیز مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہو سکتی ہے، اس اعتراض کے دو پہلو ہین، پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہی اعتراض ہے کہ جو چیز یہود و نصاریٰ کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے، مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہو سکتی ہی، تو یہ اعتراض تو اس سے بڑھکر اور کئی چیزون پر عائد ہو سکتا ہی، مثلاً یہود و نصاریٰ کی شریعت کو قرآن نے غیر مکمل کہا ہے، اور قرآنی پیغام کو خدا کا آخری کلام کہا گیا ہے، یہود و نصاریٰ کے پیغمبرون کے بعد باب نبوت بند نہین کیا گیا، لیکن مسلمانون کے نبی صلعم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، اگر ہر امتیازی تفوق قابل اعتراض ہو تو یہ امتیازات تو اس سے بھی بڑھکر ہین ان پر بھی اعتراض وارد ہو سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اعتراضات نفس اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر کئے جاتے ہین، یا تو یہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون کی جماعت نے اپنے دین کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کی خاطر قرآن مین یہ کچھ داخل کر دیا ہے، [illegible] مین، اور [illegible] زیادہ ہین، یہ دونون باتین ہی غلط ہین، قرآن مین تحریف کا تو خیال ہی کفر ہے، مذہبی اور تاریخی ہر دو حیثیت سے، اور دوسری چیز کی خود قرآن تردید کر رہا ہے، پچھلے صفحات مین یہ دکھایا گیا ہے کہ لوگون سے اسلام منوانے مین اللہ یا اس کے رسول صلعم کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہین ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ یہ لوگ اگر مسلمان ہونے سے آپ پر کوئی احسان رکھتے ہون تو ان سے کہدیجئے کہ یہ ان کا کوئی احسان نہین ہے، بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے، کہ انھین نور ہدایت سے مستنیر فرمایا، خود رسول اکرم صلعم جب کبھی کج بحثی کرنے والون کی ہٹ دھرمی پر ملول خاطر ہوتے (اسی طرح جسطرح ایک رقیق القلب، شفیق اور غمخوار ڈاکٹر بے سمجھ مریض کی بد پرہیزی اور ہٹ دھرمی پر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ یہ کہکر ان کی تسکین کرتا کہ آپ

تو صرف اسی قدر فرض ہے کہ بلّغ ما انزل الیک یعنی جو آپ پر نازل کیا جاتا ہے اسے ان تک پہنچا دیجئے اور بس، اس کے بعد، لست علیھم بمصیطر، آپ ان پر کوئی داروغہ تھوڑے ہی مقرر کئے گئے ہین، ان کو عقل و شعور دیا گیا ہے، پھر انا ھدینٰه السبیل، ان کو راہ راست دکھا دیا ہے، لقد تبین الرشد من الغی گمراہی اور ہدایت ایک دوسرے سے بالکل واضح ہو گئی ہے، اب یہ ان کی اپنی مرضی ہے کہ اما شاکرًا و اما کفورًا، چاہے ایمان لے آئین چاہے منکر ہو جائین، واللہ غنی عن العالمین اللہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلام پیش کرنے مین یا اسکی اشاعت مین خود خدا یا خدا کے رسول صلعم کی کوئی ذاتی غرض مضمر نہین بلکہ اللہ کی اپنی مخلوق کے ساتھ رافت و ہمدردی اور بے لوث شفقت کا ثبوت ہے، اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ آیت متذکرہ صدر کا مطلب کیا ہے، قرآن نے اسلام کے متعلق کہا ہے کہ کوئی نئی چیز نہین ہے، بلکہ دین فطرت ہے، جو انسان کی آب و گل مین ودیعت کر کے رکھا گیا ہے،

۴۔ فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت	پس یکسو (سیدھے دین) کی طرف اپنا
اللہ التی فطر الناس علیھا.....	رخ کر لو (کون دین) وہ دین فطرت جس پر اللہ
.......لا یعلمون	نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اللہ کی خلق مین کوئی
(روم - ۴)	تبدیلی نہین، یہی دین قیم ہے، لیکن اکثر لوگ نہین سمجھتے

جناب آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک مختلف انبیاء عظام کی وساطت سے یہ پیغام لوگون تک آتا رہا، کتاب شریعت کے مختلف ابواب ہر زمانے مین ہر قوم پر علٰحدہ علٰحدہ حصص مین نازل ہوتے رہے، اور ہر قوم کو صاف طور پر بتایا جاتا رہا کہ یاد رکھئے تمھاری شریعت نامکمل ہے، اور اسکی تکمیل خدا کے آخری پیغام سے ہونے والی ہے، اسی طرح ہر نبی کو بتایا جاتا رہا کہ انکی نبوت اس سلسلہ کی آخری کڑی نہین ہے بلکہ اسکو مکمل کرنے کے لیے سرزمین عرب مین ایک نبی امی (صلعم) مبعوث کیے جائینگے، اور ان کے اتباع سے آخری نجات ہوگی، حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب مین آنے والے نبی صلعم کے وعدہ کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن مین مذکور ہے کہ انھون نے

اپنی قوم سے کہا کہ

. . . . . . ومبشرا برسول — مین تمہین بشارت دیتا ہون ایک رسول کی جو میرے

یاتی من بعدی اسمہ احمد (صف ۱) — بعد آئیگا اور اس کا نام احمد ہوگا،

اسی طرح قرآن مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی موجود ہے، تو گویا ہر امت سے یہ کہدیا جاتا تھا، (اور یہود و نصاریٰ کے متعلق تو کوئی شک و شبہہ ہی نہ رہا کہ ان سے واقعی ایسا کہدیا گیا تھا) کہ ان کے نبی کے بعد ایک نبی آخرالزمان آنے والا ہے، اس وقت نجات اس کے اتباع ہی سے ہوگی، لیکن جب وہ نبی اپنی کھلی کھلی نشانیون کے ساتھ آیا تو سب سے پہلے انھی لوگون نے اسے جھٹلا دیا، چنانچہ اوپر والی آیت کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے

فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھٰذا سحر — پس جب وہ اپنی کھلی کھلی نشانیون کے ساتھ آیا تو یہ

مبین، ومن اظلم ممن افتری — کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، (اور اس کہنے کی) اس سے

. . . . . . الاسلام — زیادہ ظالم اور کون ہوگا کہ جو اللہ پر افترا باندھے

(صف - ۱) — حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو،

ایک جگہ مذکور ہے کہ یہ اس رسول (صلعم) کو اس طرح سے پہچانتے ہین، کما یعرفون ابناء ھم، جس طرح اپنے بیٹون کو آدمی پہچان لیتا ہے، لیکن دیدہ و دانستہ اسے جھٹلاتے ہین چنانچہ یہود و نصاریٰ کو مختلف پیرائے مین سمجھایا گیا ہے کہ دیکھو تمہین پہلے بتادیا گیا تھا کہ ایسا نبی آنیوالا ہے، تمھاری کتابون مین اس کا ذکر ہے، لیکن تم اب اس سے انکار کرتے ہو، ایک جگہ آتا ہے،

ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب وقفینا — یقیناً موسیٰ کو ہم نے کتاب دی تھی، اور اس کے بعد ہم نے

من بعدہ الرسل . . . — یکے بعد دیگرے اور نبی بھی بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم

. . . . . . — کو کھلی کھلی نشانیان دین اور اسے روح القدس سے تقویت

. . . . — دی، پس جب (یہ) پیغمبر آیا ساتھ اس چیز کے جسے تمہارا دل

. . . . . . — نہین چاہتا، پس تم نے تکبر کرنا شروع کردیا، ایک جماعت

. . . تقتلون، (بقرہ ع ۱۱) — کو تم نے جھٹلایا، اور دوسرے کے قتل کا منصوبہ باندھنے لگے

اسی طرح مختلف جگہ یہود و نصاریٰ کو ان کا وعدہ یاد دلایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ نبی ہے جو ان تمام صحائف کی تصدیق کرتا ہے جو تم پر نازل کئے گئے تھے اور جنمین تمہین کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو نجات اسکے اتباع سے ہی ہوگی لیکن وہ ہر بات کو جھٹلاتے، اور صاف صاف کہدیتے کہ نہین ایسا نہین، لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا اونصاریٰ، جنت مین تو یہود و نصاریٰ ہی داخل ہونگے، اس نئے آنے والے کے اتباع کی ضرورت نہین، قرآن ان کے اس دعوے کو جھٹلاتا اور کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کے لیے کوئی دلیل لاؤ، دلیل کہان سے لائین، انکی کتابون مین تو اس کا ذکر موجود تھا کہ آخری نبی آنے والا ہے، اس لیے قرآن نے علی الرغم ان کے دعوے کی تردید کرکے کہا ہے کہ جنت مین داخل ہونے کے لیے یہود اور نصاریٰ ہونا نہین، بلکہ جیسا تمھین کہا گیا تھا،

بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو — جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرتسلیم خم کردے (اسلام

محسن . . . . . . — لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو اسکا اجر اسکے اللہ کے پاس

یحزنون، (بقرہ ع ۱۳) — ملیگا، اور اسے کوئی خوف و حزن نہین ہوگا،

لفظاً اور معنًی یہی وہ چیز ہے جسے اسلام کہتے ہین، اسی اسلم سے لفظ اسلام نکلا ہے، جس کے معنی تسلیم و رضا یا امن و سلامتی کے ہین، تمام پیغمبرون کا یہی دین تھا، بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو کئی بار اس کا ذکر آیا ہے، اور مسلم نام بھی پہلے پہل انھی کا رکھا ہوا ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبرون کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ مسلم تھے (مائدہ ع ۲۲) اور واضح طور پر کہدیا گیا ہے کہ

ان الدین عند اللہ الاسلام، — تحقیق دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے،

(آل عمران ع ۱۸)

اس سے اب واضح ہو گیا ہوگا کہ صرف اسلام کو ذریعہ نجات قرار دینے مین کسی خاص جماعت کی دعا...

مقصود نہیں بلکہ ایک اصولی چیز کو بیان کیا گیا ہے، ایک سچے مسلمان کے لیے تو بہترین نصرانی اور بہترین یہودی ہونا بھی ضروری ہے، تو یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ کو جنت سے محروم کردیا گیا ہے، غلط ہے، ایک یہودی یا نصرانی سچا مسلمان ہو جائے، جنت کے دروازے اس پر بھی کھل جائینگے، یہودیت اور نصرانیت تو وقتی اور عارضی اصطلاحیں تھیں بعد میں موقوف ہوگئیں، اور اُن کی بجائے ایک عالمگیر اصطلاح "مسلم" رائج کردی گئی،

وہ لوگ جو قرآن کو قرآن مانتے ہیں، امید ہے سطور بالا سے اُن پر واضح ہوگیا ہوگا کہ قرآن کے رو سے نجات کے لیے ایمان و عمل دونوں کی ضرورت ہے، اور ایمان کے لیے اس شکل کا ہونا لازمی ہے جس شکل میں نبی اکرم صلعم نے اسے پیش کیا ہے، اس کے سوا جو تعلیم ہے، وہ کم از کم قرآنی تعلیم نہیں، اور کچھ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان کو عمل سے جدا کیا ہی نہیں جاسکتا، اعمال جوارح کے بھی ہوتے ہیں اور قلب کے بھی، اور ایمان نام ہے قلب کے عمل کا، اور علم نفسیات کے ماہر اُسے بخوبی جانتے ہیں کہ اصل شے اعمال جوارح ہوتے ہیں یا اعمالِ قلب، حقیقت یہ ہے کہ عمل نام ہے اس "فعل ارادی" کا جو کسی مقصد کے حصول کے لیے انسان سے سرزد ہو، کوئی عمل فی ذاتہ نہ برا ہوتا ہے نہ اچھا، بلکہ یہ اس مقصد پر موقوف ہے، جس کے حصول کے لیے یہ عمل صادر ہو، مقصد کے یقین کے لیے ظاہر ہے، سب سے پہلے قلب کا ایک جذبہ محرک ہوگا، اسی کا نام شریعت کی زبان میں "نیت" ہے، قرآنی تعلیم کی رو سے ہر عمل کا مقصد پیش نظر حصول رضائے الٰہی ہونا چاہئے، اس عمل کو عملِ صالح کہیں گے، اور اس کے محرک جذبہ کا نام "ایمان" ہوگا، اب ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل شریعت کی رو سے صالح ہو ہی نہیں سکتا، اور جو اعمال بظاہر صالحہ یا جو اخلاق حسنہ نظر آتے ہیں وہ حقیقت نہیں سراب ہے، نظر کا دھوکا ہے، معیار کا فریب ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کفار کے اعمال کے لیے حبطت اعمالھم آیا ہے، کہیں ایک جگہ بھی حبطت حسناتھم نہیں آیا، کیونکہ ان کے اعمال پر حسنات کا اطلاق ہی نہیں ہوسکتا، کفار تو ایک طرف، خود مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل	یہی نیکی نہیں ہے کہ مغرب کی سمت منہ کریں یا مشرق
المشرق والمغرب ولکن البر من آمن (بقرہ)	کی سمت، بلکہ اصل نیکی تو ایمان ہے

اور یہی تقویٰ یعنی ایمان ہے، جس کے بغیر کسی عمل کی کوئی قیمت نہیں، فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا،

آج مسلمان صرف اپنے ایمان کو درست کرلیں، اور پھر دیکھیں کہ وہی فلاح و بہبود کا دور آجاتا ہے یا نہیں، آج اُن کے اعمال و افعال میں جو برکت نظر نہیں آتی اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صحیح ایمان کو چھوڑ رکھا ہے، اور ایمان کے بغیر اعمال سے نتائج مرتب کرنا تلک امانیھم،

عہدِ عالمگیری کی ایک غیر معروف کتاب

مرأۃ الخیال اور اوسکا مؤلف

از

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی،

فارسی کے قدیم و جدید شعرا کے حالات مین جتنے تذکرے لکھے گئے ہین ان مین تذکرۂ مرأۃ الخیال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، بادی النظر مین یہ ایک سرسری تذکرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اپنے مختلف اور متنوع موضوعات کے لحاظ سے وہ ایک علمی و فنی، ادبی اور تاریخی کتاب ہے جسکی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، شعراے متقدمین و متاخرین کے حالات کے علاوہ ضمنی مباحث علمیہ اور ذخیرۂ معلومات کے لحاظ سے وہ فارسی زبان کی ایک دائرۃ المعارف کہی جا سکتی ہے، خود مؤلف اپنی کتاب کی نسبت لکھتا ہے کہ اوس نے ایک جلد مین ایک "پورا کتاب خانہ" جمع کر دیا ہے[1]،

مابعد کی تصانیف مین اس کتاب کا ذکر آیا ہے، چنانچہ آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ کے ماخذ مین اس کو شمار کیا ہے[2]، اسی طرح سرو آزاد[3] مین بھی بعض جگہ اس کا حوالہ دیا ہے، سہ نثر ظہوری کے مرتب نے مقدمات مین موسیقی سے متعلق مرأۃ الخیال کا ایک طویل اقتباس (تقریباً ۱۰ صفحے) نقل کیا ہے، اور اسی کتاب سے ظہوری کے حالات نقل کئے ہین[4]، غیاث الدین نے اپنے لغت مین ہفت اقلیم پر جو مفصل مضمون لکھا ہے، اوس کے ماخذ مین مرأۃ الخیال

[1] مرأۃ الخیال صفحہ ۳ طبع بمبئی، [2] خزانۂ عامرہ صفحہ ۷ طبع لکھنؤ، مؤلف کتاب اور آزاد دونون ہمعصر ہین، [3] سرو آزاد صفحہ ۱۷، ۶۲، طبع حیدرآباد، [4] مقدمات ظہوری صفحہ ۴۰ اور صفحہ ۳ تا صفحہ ۱۵ طبع نولکشور،

کا بھی ذکر کیا ہے[1]، مستشرقین یورپ مین سے بلینڈ (Bland) نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل[2] مین اس کتاب پر تبصرہ لکھا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے اودھ کیٹلاگ[3] مین، اور اومر (Aumer) نے میونچ کی فہرست کتب[4] مین اس کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر ریو (Rieu) نے عجائب خانہ لندن کی فہرست مخطوطات فارسی[5] مین اس کے مضامین کی فہرست دی ہے اور اس کے چار قلمی نسخون (۲۳۱، ۱۱۷۴۴، ۱۶۸۲۵، ۱۶۸۲۹) کا ذکر کیا ہے، جن مین سے ایک نسخہ ۱۱۴۳ھ کا لکھا ہوا ہے، جو تالیف کتاب کی تاریخ سے ۴۱ برس بعد کا ہے، طامس ولیم بیل نے اس کے مؤلف شیر خان لودی کا مختصر حال لکھا ہے[6]، علامہ شبلی نے اپنے ایک مضمون "جدید معلومات قدیم کتابون مین"[7] مسئلہ تجاذب اجسام پر اس کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، اسی طرح اپنی معرکۃ الآرا تصنیف شعر العجم کے ماخذ مین اسکو درج کیا ہے،

مطبوعہ نسخہ ہندوستان اور یورپ کے کتبخانون مین مرأۃ الخیال کے قلمی نسخے اکثر پائے جاتے ہین اور کوئی سو سال پہلے یہ کتاب ۱۸۳۱ء مین ٹائپ کے حروف مین کلکتہ سے شایع بھی ہو چکی ہے، اور جیسا کہ بمبئی اڈیشن کے خاتمہ مین مرقوم ہے آقا محمد جعفر تاجر شوستری معروف بہ مولانا نے اسکو چھپوایا تھا، اسکے بعد ۱۳۲۳ھ مین اس مطبوعہ نسخہ پر سے بمبئی کے مشہور کتب فروش ملک الکتاب میرزا محمد خان شیرازی نے اپنے مطبع مظفری سے اس کا دوسرا اڈیشن شایع کیا، اور جیسا کہ آخر کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اوسکو مہاراجہ مدار المہام بہادر عین السلطنۃ "مشیر خطۂ دکن" کے نام سے منسوب کیا ہے، مدار المہام سے مراد غالباً سرکشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد ہین،

یہ نسخہ متوسط تقطیع کے ۲۴۴ صفحات مین معمولی کاغذ پر چھپا ہے، جو ایک دو جگہ سے کچھ ناقص اور بعض مقامات پر غلط ہے، تاہم غنیمت ہے، اور اس وقت مطبوعہ صورت مین موجود ہے اور صرف عہ مین ملتا ہے،

[1] غیاث اللغات صفحہ ۵۵ مطبوعہ رزاقی پریس کانپور، [2] جلد نہم صفحہ ۲۴، [3] صفحہ ۱۱۵، [4] صفحہ ۳، [5] جلد اول ص ۳۶۹ تا صفحہ ۳۷، [6] اورینٹل بایوگرفیکل ڈکشنری صفحہ ۳۸۰، [7] دیکھو الندوہ بابت ستمبر ۱۹۱۰ء، [8] صفحہ ۳۴۱، سطر ۱۶ کے بعد سے بعض سطور غائب ہین،

موضوع کتاب شروع میں چار صفحون کا ایک دیباچہ ہے، جو حمد و نعت پر مشتمل ہے، اس کے بعد صفحہ ۵ سے ۱۲ تک ایک مبسوط مقدمہ ہے، جسمین شعر کے جواز پر مذہبی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، اس کے بعد کتابت اور خط املی کا مختصر تذکرہ ہے اور اس مین بہت سی مفید معلومات جمع کر دی ہین، پھر حروف الفاظ، اور اعراب پر بحث کی ہے، اس کے بعد متقدمین شعرائے فارسی کے مختصر حالات رودکی سے لیکر اصفی تک (ص ۲۱ تا ص ۸۲) لکھے ہین، پھر متاخرین شعراء مین عہد مغلیہ کے بعض ایرانی اور ہندی شعراء کا تذکرہ ہے، (ص ۸۵ تا ص ۲۴۹) پھر عہد مؤلف کے بعض معاصر شعراء و ادبار کے حالات ہین، آخر مین شاعرہ عورتون کا تذکرہ اور ان کے کلام کے نمونے دئے ہین،

قدیم شعراء کے حالات کے خاتمہ پر مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابون سے لئے گئے ہین، اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خود مولف کے قلم کا نتیجہ ہے[1]،

اسی طرح دیباچہ مین بھی مؤلف نے تصریح کی ہے کہ

"در ایراد احوال قدما باختصار پرداخت چہ آن اخبار از مواضع متعددہ معلوم میگردد اینجا بجز نقل چارہ نبود، اما در ذکر متاخرین باندازہ طبع ناقص خویش جولانگری کلک خوش خرام خواہد نمود[2]"،

دیباچہ مین مؤلف نے اپنی کتاب کا موضوع بیان کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ اسکو مرتب کرنے مین مؤلف کا مقصد دوسرے تذکرہ نویسون کی طرح بادشاہون اور سلاطین وقت کی مدح سرائی نہین ہے، اور چونکہ اس کتاب کی تالیف مین اُس کا مقصد اور تھا، اسلئے تذکرہ شعراء کے علاوہ کئی باتین خارج از موضوع بھی اوس نے نقل کی ہین، چنانچہ رقمطراز ہی:-

"چون راقم حروف را از تحریر و ترتیب این گلدستہ بہارستان خیال مقصدی دیگر در پیش است و شائبہ جہت ملوک و خواقین بیرون خاطر این غرض را و ندارد و بنا بر علیہ احوال ارباب سخن را دست آویز توی در مذہبی صنعت فقد استہدف نمود و با یراد مقدمات خارج کہ نسب مقام افتد گرہ کشائی

[1] ص ۸۵، [2] ص ۲،

رشتہ تزئین خواہد گردید[1]"،

ضمنی مباحث کتاب کے ضمن مین مؤلف نے معمولی اور ادنیٰ رعایت کلام کی بنا پر مختلف علوم و فنون کی طرف گریز کی ہے، اور کئی ضمنی مباحث درج کر دئے ہین چنانچہ ذیل کے موضوعات پر اس نے ایک ایک علحدہ رسالہ قلمبند کیا ہے، جو اپنی مفید معلومات کے لحاظ سے نہایت کارآمد ہے،:-

(۱) عروض و قافیہ، (ص ۹۴ تا ص ۱۱۱)

(۲) صنائع و بدائع، (ص ۱۱۱ تا ص [illegible])

(۳) علم النفس، (ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۷)

(۴) موسیقی، (ص ۱۵۱ تا ص ۱۶۱)

(۵) علم تعبیر خواب، (ص ۱۷۵ تا ص ۱۹۰)

(۶) علم فراست، (قیافہ) (ص ۱۹۵ تا ص ۲۰۴)

(۷) جغرافیہ (احوال اقالیم سبعہ و بحار و انہار) (ص ۲۶۳ تا ص ۲۹۱)

(۸) علم اخلاق (ص ۳۱۰ تا ص ۳۴۲)

ان کے علاوہ کئی فوائد علمیہ درج کئے ہین، مثلاً فن تفسیر (ص ۱۳۱ - ص ۱۳۴) استعاذہ (ص ۱۳۳ - ص ۱۳۹) ذکر خفی و جہری (ص ۱۴۷ - ص ۱۴۹) وجود جنیات (ص ۲۰۸ - ص ۲۱۳) عشق (ص ۲۱۷ - ص ۲۲۴) بیان خمر (ص ۲۲۵ - ص ۲۳۱) شرح جامی بر بعض اشعار قصیدہ خمریہ ابن الفارض رح (ص ۲۳۱ - ص ۲۳۳) علم طب (ص ۲۶۱ - ص ۲۶۳)

ان مضامین متنوعہ و موضوعات مختلفہ کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو یہ کتاب چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا ہے،

ماخذ کتاب اثنائے تالیف مین مؤلف کو مختلف علوم و فنون کی مختلف کتابون کا مطالعہ کرنا پڑا ہے جیسا کہ ان کتابون کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے، اس کتاب کے ماخذ مین مؤلف نے ۵۰ کتابون کا ذکر کیا ہے، ان مین

[1] ص ۷۱

وہ متعدد دواوین شامل نہیں ہیں جن سے شعرا کا کلام نقل کیا گیا ہے، ان مآخذ کی تعداد موضوعات کے لحاظ سے حسب ذیل ہے :-

۱۰ تفسیر۔ ۱۵ تصوف واخلاق۔

۱ حدیث۔ ۴ تاریخ۔

۱۲ جغرافیہ۔ ۲ موسیقی۔

۴ تذکرۂ شعراء، ۲ عروض وقافیہ،

۴ شعروادب۔ ۳ متفرقات،

ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جو بالفعل نایاب ہیں، مثلاً رسالہ مفتاح الجمال، تفسیر ملا شاہ، تاریخ شاہ رخی، حوض الحیات (موسیقی) رسالہ مادھونل مصنفہ شیخ عالم (موسیقی ہند) گل اورنگ تحفۃ الولایات (جغرافیہ) وغیرہ اس سے مؤلف کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے،

تاریخ تصنیف جیسا کہ تمام کتاب میں مؤلف نے قطعۂ تاریخ میں تصریح کی ہے یہ کتاب ۱۱۰۲ھ میں اتمام کو پہنچی؛

این چمن زاریکہ مرآۃ الخیالش خواندہ ام　　دارد از حسن معانی یک جہان رنگ گل

صورت تاریخ انجامش توان بے پردہ دید　　گر تامل پردہ بردارد ز "مرآۃ الخیال"

یعنی مرآۃ الخیال کے اعداد ۱۳۱۳ میں سے پردہ کے عدد ۲۱۱ منہا کر دئے جائیں تو ۱۱۰۲ھ کی تاریخ نکلتی ہے،

خود مؤلف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے یہ کتاب اپنے بڑے بھائی عبد اللہ خان کی وفات (۱۱۰۱ھ) کے بعد لکھنی شروع کی تھی اور اس وقت اسکی عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"در اوایل قرن دوم ورقی چند گرد آورد، بعضی از زادۂ طبع متقدمین وبرخی از آوردۂ فکر متاخرین ثبت نمودہ"[1]

---

[1] ص ۲۴۰،

تاریخی اہمیت مذکورۂ بالا خصوصیات کے علاوہ اس کتاب کی ایک خاص تاریخی اہمیت بھی ہے، مؤلف دبقول خود) عہد شاہجہانی میں پیدا ہوا، مدتوں شاہجہان آباد (دہلی) میں رہا، عالمگیر کی تخت نشینی کے زمانہ میں سن تمیز کو پہنچ چکا تھا، اس کا باپ شہزادہ شجاع کی نوکری میں تھا، اکثر امراء عمائدین سلطنت حکام اور شعراء دربار کے ساتھ مؤلف کے مراسم تھے، اسلئے ممکن ہے کہ اس عہد کے اکثر واقعات اسکی نظروں کے سامنے وقوع پذیر یا معتبر ذرائع سے اسکے گوش زد ہوئے ہوں، لیکن چونکہ یہ تاریخی موضوع پر کوئی خاص کتاب نہیں ہے، اس لئے ہمیں مؤلف سے یہ توقع بھی نہیں ہو سکتی، کہ وہ اس میں اپنے عہد کے تمام حالات وواقعات سے بھی بحث کرے گا، البتہ اس نے بطور خود جستہ جستہ بعض تاریخی اور اپنے عہد کے جزئی امور کا تذکرہ کیا ہے، جن سے شاہجہان اور عالمگیر کی سیرت کے بعض پہلوؤں اور اس عہد کے بعض تاریخی امور پر روشنی پڑتی ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی استناد کا درجہ بھی رکھتی ہے، لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اس مقصد کیلئے کسی نے اسکو استعمال نہیں کیا،

یہاں ہم بعض تاریخی امور بقید صفحات نقل کرتے ہیں :-

(۱) مغل فرمانرواؤں کی علمی قدردانیاں، ان کے انعام واکرام، اور داد ودہش مشہور ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، چنانچہ مؤلف نے مشہور فارسی شاعر محمد جان قدسی کے حالات میں لکھا ہے کہ اوس نے ایک رنگین قصیدہ بادشاہ کی مدح میں لکھ کر پیش کیا، تو اوس کے صلہ میں بادشاہ نے مختلف قسم کے جواہرات منگوا کر انسے سات مرتبہ اس کا منہ بھر دیا[1]، اس سلسلہ میں شاہجہان کی تعریف کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے :-

"شہنشاہ بیدریغ صاحبقران ثانی وآدم شناسی وہوشیاری ولشکر کشی وملک گیری وطراحی عمارات وعیش وکامرانی ورعیت پروری وخدا ترسی وشیوۂ عدل وداد بر ساکنان ربع مسکون پوشیدہ نیست، اکثر سازندگان

---

[1] آزاد بلگرامی (سرو آزاد صفحہ ۴۲) لکھتے ہیں، کہ شاہجہان ناموں کے مؤلف ملا عبد الحمید لاہوری اور ملا علاء الملک تونی اور صاحب عمل صالح نے بادشاہ کے مفصل حالات لکھے ہیں، مگر اس واقعہ کے تذکرہ سے خاموش ہیں، لیکن مؤلف بھی قدسی کا معاصر ہے اسلئے ممکن ہے، کہ کسی ذریعہ سے اسکو یہ حال معلوم ہوا ہو،

برآنند کہ در تیموریہ ہیچ پادشاہے جامع این صفات مستحسن بظہور نیامدہ[1]"

اسی طرح میر رضی دانش کے تذکرہ مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک غزل شاہزادہ دارا شکوہ کی خدمت مین پیش کی، شہزادہ نے اس حسنِ مطلع کے صلہ مین ایک لاکھ روپیہ انعام دیا[2]،

تاک را سیراب کن ای ابرِ نیسان در بہار قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

خاندانِ مغلیہ کی شعر فہمی اور قدر شناسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے،

(۴) مُلّا شیدا نامی شاعر کے حالات مین لکھا ہے کہ جب اس کا یہ مطلع:-

چیست دانی بادۂ گلگون مُصفّا جوہرے حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

شاہجہان کے کانون تک پہنچا تو فوراً اوس کو ممالکِ محروسہ سے نکال دینے کا حکم دیا، آخر ملا شیدا نے معذرت مین ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا، "شعر کا یہ قطعہ مولف نے نقل کیا ہے[3]"

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بادشاہ کو مذہب کا کسقدر پاس ادب تھا، کہ وہ ایک مسلمان شاعر کے منہ سے ایسے گستاخانہ الفاظ نہین سن سکتا تھا لیکن جب شاعر نے معذرت چاہی اور اپنے اس فعل سے نادم ہو کر توبہ کی کہ

کنون ز توبہ بعذرِ خطا پذیر آنم بوصف مَی نکشایم لب از رہِ تقریر

تو اوس کی خطا معاف کر دی۔

(۳) اسی طرح ایک اور واقعہ اس بادشاہ کی غیرتِ مذہبی کا منقول ہے، کہ چندر بھان نامی برہمن باشندۂ اکبر آباد (آگرہ) جو دارا شکوہ کی سرکار مین منشی گری کے عہدہ پر مامور تھا، اور نظم و نثر لکھنے مین دستگاہ رکھتا تھا اس کا ایک شعر دارا شکوہ کو بہت پسند آیا چنانچہ شہزادہ نے دربار کے حاشیہ نشینون سے ملکر بادشاہ کی خدمت مین عرض کی کہ منشی چندر بھان نے ایک عجیب شعر کہا ہے، بادشاہ نے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا، جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ

[1] صفحہ ۳۰۶ [2] منتخب اللباب ۱۲۹ [3] صفحہ ۹۲

"درین ایام شعرے کہ با بادوارا شکوہ، از تو پسند کردہ است بخوان"

چندر بھان نے وہ شعر پڑھا:-

مرا دلے ست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

اس شعر کو سن کر بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور کہا کہ کوئی ہے جو اس کافر کو جواب دیسکے؟ امیر الامراء اعظم افضل خان نے دست بستہ عرض کی کہ اگر حضور کا حکم ہو تو آج سے چار سو برس پیشتر کے ایک استاد کے کلام سے اس کا جواب عرض کرون، اور سعدی کا یہ شعر پڑھا،

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود[1]
گر بیاید ہنوز خر باشد[1]

بادشاہ باغ باغ ہو گیا، افضل خان کو انعام و اکرام عطا کیا، اور شاہزادہ کو منع فرمایا کہ آیندہ سے ایسے لغویات حضور مین نہ پیش کرائین اور چندر بھان کو نکال دیا[2]

اس موقع پر بادشاہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہین:-

"خاطرِ مبارکِ بادشاہ بشگفت و شکر بجا آوردہ گفت:- از تصرفاتِ دینِ محمدی این قسم جواب رسید الامن از غصہ ہلاک می شدم"

(۴) شاہجہان نے اپنے لئے "تختِ طاؤس" کے نام سے ایک مرصع تخت بنوایا تھا جس پر بیش قیمت ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، بقول مؤلف اس پر تین کروڑ روپیہ کی لاگت آئی تھی،[3] جب وہ بنکر تیار ہو گیا تو ایک دن جشنِ تخت نشینی مقرر کیا، اور اس پر جلوس فرمایا، اس تقریب مین پایہ تخت کے شعرا نے تہنیت و

[1] صفحہ ۱۳۹-۱۴۰، [2] لیکن شاہجہان نامہ مین علاوہ کاریگرون کی تنخواہون اور اخراجات کے صرف جواہرات و دیگر اشیاء کی قیمت ایک کروڑ تہائی گئی ہی، یہ عہدِ مغلیہ کا روپیہ ہی، جسکی قیمت تقریباً موجودہ سکہ مین عہ کے برابر ہے،

مدح مین قصائد لکھ کر نذر گذرانے جنہین سلطان شادمان کی یہ غزل بہت پسند کی گئی:-

صبحدم کز فیض گشتم ہمنشین آفتاب　　نقش نام شاہ دیدم در نگین آفتاب

اس موقع پر اس اسلامی تاجدار نے اپنے جذبۂ خدا پرستی اور جوش عبودیت کا جو ثبوت دیا ہے، اس کی نظیر ملنی دشوار ہے، چنانچہ مؤلف قمطراز ہے:-

"آوردہ اند کہ پادشاہ دیندار ساعتے بر آن سریر مکلف بکمال حشمت و نہایت تجمل نشستہ فرود آمدہ دوگانہ بخضوع و خشوع تمام بجا آوردہ زمانے دراز در سجدہ بود، چون سر بر داشت فرمود کہ در روایت ارباب سیر آمدہ کہ تخت فرعون از عاج و آبنوس بود، او بر آن تخت دعوی خدائی میکرد گواہ باشید کہ من برین تخت مرصع دعوی بندگی دارم، حضار مجلس، فضلائے نامدار و امرائے عالی مقدار متفق اللفظ بدعائے ازدیاد عمر و شکر توفیق بادشاہ اسلام زبان بکشادوند"[1]

(۵) اس مین کسی کو مجال انکار نہین ہے کہ عالمگیر اپنے مذہب کا پکا پابند اور امور شرعیہ کا محافظ تھا، چنانچہ اسکے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ہی رسوم اکبری و جہانگیری اور بدعات داراشکوہی و مراد بخشی کا خاتمہ ہوگیا، ایک طرف اگر وہ احکام شرعیہ کے اجرا اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرتا تھا، تو دوسری طرف اپنی انتہائی دور اندیشی اور سیاست دانی سے اپنے حریفون کو نیچا دکھاتا تھا،

عالمگیر پر جہان بھائیون کے قتل کرانے کا الزام ہے، وہان اس کے دامن دینداری پر سرمد کے "خون ناحق" کا دھبہ بھی مخالفین کی طرف سے ایک "بدنما داغ" بنا کر چمکایا گیا ہے، واقعہ کے صحیح ہونے مین کلام نہین لیکن اسباب و علل پر غور کئے بغیر کسی کو مورد الزام ٹھہرانا انصاف سے بعید ہے، اسباب خواہ مذہبی ہون یا سیاسی مگر اسمین شک نہین کہ ان پر جسقدر زیادہ غور و تامل کیا جائے گا، اسی قدر یہ جرم ہلکا نظر آئے گا، مذہب و سیاست مین اپنے حریفون کے ساتھ ذرا سی رعایت بھی خطرۂ جان ثابت ہوتی ہے، اولاً سرمد سے داراشکوہ کو خاص ارادت تھی،

[1] صفحہ ۱۴۵

ثانیاً سرمد کی ظاہری حالت (کہ باطن کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے) خلاف شرع تھی، پھر اس کے بعض اقوال سے شریعت غرا کے بعض مسلمہ عقائد پر زد پڑتی تھی، عالمگیر کے لئے یہ وجوہ بہت اہمیت رکھتی تھین، مؤلف کے عہد مین قتل سرمد واقع ہوا ہے اسلئے اسکے وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:-

"سرمد ہموارہ برہنہ زیستی و بول و غایط در نظر خلق کردی، چون خاطر سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت بادی در گرفت و مدتی باز صفات او سرخوش بود تا آنکہ روزگار طرح دیگر انداخت و در سنہ ہزار و شصت و نہ اورنگ خلافت و جہانداری بوجود فیض آمود ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ فرین گردید، و آوازۂ خدا پرستی جہان را فرا گرفت،.........

.......درین ہنگام خجستہ آغاز فرخندہ انجام کہ ہر روز دین مبین را رونقی تازہ و ہر ساعت ملت بیضا را جلائے بے اندازہ است سرمد را تکلیف لباس کردند و او از سوء مزاجی تن نداد و فی شہور سنہ الف و اثنین و سبعین (۱۰۷۲) بتیغ امر شریعت غرا مقتول گردید و عمدہ در کشتن سرمد این رباعی بود کہ ازان شائبہ انکار معراج لازم می آید:-

آنکو بسر حقیقتش یاور شد　　خود پہن تر از سپہر پہناور شد

ملا گوید کہ بر شد احمد بفلک　　سرمد گوید سپہر در وے در شد"[1]

(۶) سریر فرمانروائی پر عالمگیر بادشاہ جب حفظ قرآن کی دولت لازوال سے بہرہ ور ہوا تو میرزا رشتی ضمیر شاعر نے تہنیت مین یہ رباعی لکھ کر پیش کی:-

محی الدین و مصطفےٰ حافظ تو ہو　　صاحب سیفی و مرتضےٰ حافظ تو ہو

تو حامی شرعی و حامی تو شارع　　تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو،

[1] صفحہ ۱۴۱، صفحہ ۱۴۲، سرمد کے حالات و واقعۂ قتل کی نسبت عاقل خان رازی نے اپنی تاریخ (صفحہ ۸ صفحہ ۹) مین لکھا ہے، سرمد کے مفصل حالات کے لئے دیکھو دبستان المذاہب (صفحہ ۱۹۲، صفحہ ۱۹۶) اسکے قتل کے وجوہ کے لئے دیکھو مآثر الامرا ج ۱ صفحہ ۲۲، صفحہ ۲۲۴

اس کے صلہ مین سات ہزار روپیہ مرحمت ہوا[۱]،

(۷) عالمگیر ایک عملی آدمی تھا، خوشامد اور تملق سے اُسے نفرت تھی، سلاطینِ مغلیہ کے دربار مین مدح گو شعرا کی کمی نہ تھی، سخن فہمی اور شعرا کی قدردانی اس خاندان کا ایک امتیازی وصف تھا، اور اگرچہ عالمگیر خود اعلیٰ درجہ کا شعر فہم و سخن شناس تھا، لیکن شعرا کی مبالغہ آمیز مدح سرائی سے اوسکی طبیعت نفور تھی اور یون بھی پابندیِ شرعِ متین کی بنا پر اس طرح کی خوشامدانہ اور مبالغہ آمیز شاعری وہ پسند نہین کرتا تھا، چنانچہ مؤلف لکھتا ہے، کہ جب عالمگیر تختِ فرمانروائی پر جلوہ افروز ہوا تو سلطان شادمان نامی شاعر نے اس کی مدح مین ایک قصیدہ لکھ کر سنایا:-

آن کیست کو ز حقۂ لعلت نشان دہد   در خواب اگر دہد بطریق گمان دہد الخ

بادشاہ کو اس قصیدے کے بعض اشعار بہت پسند آئے تو اون کو دوبارہ پڑھنے کی فرمایش کی لیکن

"از آنجا کہ این شاہِ مستقیم الاحوال بنابر پاس مراتبِ شریعت بشعر میل ندارد و این صنعت را فعلِ عبث می شمارد فرمود ما بدولت نمیخواہیم کہ بعد ازین گرد این اندیشہ بگردد خاطر تو گردد"،

سلطان شادمان نے فوراً پائے مبارک پر ہاتھ رکھ کر اس کام سے توبہ کی اور عمر بھر فکرِ سخن مین نہین کھپایا[۲]،

(۸) عالمگیر کے اپنے مدحیہ قصائد و اشعار نہ پسند کرنے کی تائید مین ایک اور واقعہ لیجیے، امرائے عالمگیری مین ملا شفیعا المخاطب بہ دانشمند خان ایک عالم و فاضل شخص تھا، اس کی تحریک سے محمد علی ماہر نے بادشاہ کی مدح مین ایک مختصر رسالہ رنگین نظم و نثر مین لکھکر گل اورنگ سے موسوم کیا تھا، اسکی نسبت مؤلف کا بیان ہے کہ،

"ہر کس کہ آن رسالہ را مطالعہ نمودہ باشد انصاف درستی طبعش تواند داد ولیکن از انجا کہ این بادشاہ دین پناہ را بنابر پاس مراتب شریعت باشعر باد ارباب آن التفات کمتر است و مذہب مصنف نیز در نظر بود، بدیدن و شنیدنش میل نفرمود[۳]"،

(۹) اوائل ایام سلطنت مین عالمگیر نے حکم نافذ کیا تھا کہ دیوان حافظ کو لوگ اپنے کتبخانون سے علیحدہ کردین

[۱] صفحہ ۱۵۰، (دیکھو تذکرہ خوشنویسان ہند صفحہ ۱۰۱) [۲] صفحہ ۱۲۵ اس قصیدہ کے ۲۳ شعر مؤلف نے نقل کیے ہین، [۳] صفحہ ۲۰۷،

اور ممالک محروسہ کے معلمین اور اساتذہ طلبہ کو اس دیوان کا درس نہ دین، باانیہمہ دیوان حافظ بادشاہ کے مطالعۂ خاص مین رہا کرتا تھا، اس پر مقربین بارگاہ نے عرض کی کہ یہ دیوان تو ہمیشہ حضور کے مطالعہ مین رہتا ہے، پھر اسکی ممانعت مین کیا راز ہے، تو ارشاد ہوا،

"ہر کس را قدرت فہم رموز این کلمات نیست بگمان کہ ارباب غفلت بر ظاہر عبارت حمل نمودہ در ورطۂ بیباکی و عصیان فرو روند و برائے شرب خمر و شاہد پرستی دست آویز بدست آوردہ بہاویۂ خذلان منہمک گردند[۱]"،

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے اخلاق و عادات کی حفاظت کا کس قدر خیال تھا، ہمارے زمانہ کی حکومت نے فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت کو ممنوع قرار دینے کے لئے جو قانون نافذ کیا ہے، اس سے تین سو برس پہلے اس نیک نہاد اسلامی تاجدار نے اس کا انسداد کردیا تھا،

(۱۰) مؤلف نے عالمگیر کے ایام شاہزادگی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جو اوس کی خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے:

والعھدۃ علے الراوی،

"گویند در ایام شاہزادگی یکے از پرستاران خاص کہ در شیوۂ دلبری و مزاج دانی بے نظیر بود و در نغمہ سنجی بمرتبۂ کہ ہر روز نقشے تازہ بآہنگ دلفریب بسمع مبارک می رسانید بقضائے آسمانی رحلت نمود و مفارقتش بر خاطر آن حضرت نہایت دشوار گردید روز دیگر بجہۃ شکار بر آمدند نواب عاقل خان در جلو بود چون مردم ہر جانب منتشر گردیدند دخلوت یافت بعرض رسانید کہ با این ہمہ بار اندوہ و ملال کہ بر خاطر مبارک فرود آمدہ است سواری شکار فرمودن چہ حکمت خواہد بود آن حضرت در جواب این بیت اشارہ نمود:-

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست   در بیابان میتوان فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خان این بیت از اشعار خود بخواند:-

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود   ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

[۱] صفحہ ۲۲۵،

آن حضرت را بے اختیار رقت افتاد و زمانے در آنجا بود، چون افاقت یافت پرسید کہ این شعر از کیست گفت از نتیجہ‌ات کرنی خواہد بحضور بندگان حضرت بنام شاعری موسوم گردد آن حضرت تبسم نمود و بکرات و مرات آن بیت را استماع فرمودہ یاد گرفت، و از آن روز نظر تربیت بیش از پیش بحال وے بگماشت تا آنکہ بمنصب چہار ہزاری رسانید، امروز کہ دوازدہ سال[1] است حضرت ظل الٰہی بتنبیہ مفسدان دکن توجہ دارند ہمین تدبیر و برکت صوبہ‌داری وے مردم شاہجہان آباد و نواحی را جمعیتے کہ در حضور بادشاہ بود حاصل است"[2]

بعض فوائد علمیہ

ان تاریخی امور کے علاوہ اس کتاب مین کئی مفید اور کارآمد باتین درج ہین جنمین سے بعض ذیل مین بیان کی جاتی ہین،

(۱) فردوسی کی نسبت مشہور ہے کہ اوس نے شاہنامہ کے علاوہ ایک اور مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی تھی، مگر موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دراصل کسی دوسرے شاعر کی ہے اور فردوسی کے نام سے منسوب کردی گئی ہے،[3] مولف کا بھی یہی خیال ہے کہ شاہنامہ کے سوا اس کی کوئی دوسری تصنیف نہین ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

[1] عاقل خان ۱۰۹۰ھ ۱۶۸۰ء سے ۱۱۰۸ھ ۱۶۹۶ء تک دلی کا صوبہ‌دار تھا، اس لحاظ سے اس کتاب کی تالیف کے وقت اوس کو ۱۲ سال ہو چکے تھے، [2] صفحہ ۲۳۹ - صفحہ ۲۴۰، یہ واقعہ غالباً ہیرا بائی عرف زین آبادی بیگم سے متعلق ہے، جس کے ساتھ عالمگیر کے تعشق کا اسطورہ بعض نام نہاد مورخین نے اس افسانہ طرازی کے ساتھ وضع کیا ہے، کہ خود تاریخ کو اس پر تعجب ہے کہ ایک مشرقی شہزادہ کا تعشق کوئی امر محال یا ناممکن الوقوع نہین ہے، حیرت صرف ان دروغ بافیون پر ہے جو اپنے اندر بھی تناقض اختلاف تاریخی اور انتہائی مبالغہ کے ساتھ تاریخ کے نام سے پیش کی جاتی ہین، (ملاحظہ ہو احکام عالمگیری مترجمہ جدوناتھ سرکار) اس واقعہ کی نسبت مولف کا ماخذ غالباً عاقل خان رازی یا اوسکی تاریخ ہے، ماثر الامرا (ج ۱ صفحہ ۷۹۵) مین یہ واقعہ بعینہ منقول ہے لیکن چونکہ ماثر بعد کی تصنیف ہے اسلئے صاحب ماثر نے یہ واقعہ عاقل خان کی تاریخ سے لیا ہوگا، یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ عالمگیر دوسری مرتبہ دکن کا صوبہ‌دار تھا، اسوقت اوسکی عمر ۳۵ سال کی تھی، لیکن پروفیسر جدوناتھ سرکار اوسکی نسبت ریمارک کرتے ہین کہ عالمگیر اس وقت بچون کا باپ ہو چکا تھا، اور جذبۂ شباب سے لبریز نوجوان نہ تھا، بلکہ اسکے لئے دنیا مین تعشق کا زمانہ رخصت ہو چکا تھا، (ترجمہ احکام عالمگیری صفحہ ۲۶) [3] دیکھو رسالہ اردو مین پروفیسر شیرانی کا مضمون

"چون از واردات فردوسی غیر از شاہنامہ چیزی دیگر گوش زد نرسیدہ بتحریر احوالش اکتفا نمودہ شد"[1]

(۲) لفظ "موسیقی" کے متعلق کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کیا معنی رکھتا ہے، بہت کچھ اختلاف ہے، بعض نے اسکو "موسیقار" نامی پرندہ سے منسوب کیا ہے، اور بعض نے اسکو یونانی زبان کا لفظ بمعنی لحن بتایا ہے، اسکے متعلق مولف کی تحقیق یہ ہے کہ

"موسیقی لفظ سریانی است، و در اصطلاح این طائفہ تو ار اگویند و سیقی بمعنی گرہ آمدہ یعنی صاحب این فن بر ہوا گرہ می زند"[2]

(۳) ارتقاء انسانی کے مسئلہ سے بھی مولف باخبر تھا، چنانچہ لکھتا ہے:-

"نشاۃ انسانی کہ بر جمیع اطوار محیط است و بر تمام مراتب بتیارچہ اولاً در بدو وجود از رتبہ جمادی بمرتبۂ نما رسید و از نما بمرتبہ حیوان و از انجا بمرتبۂ انسانی انجامید"[3]

(۴) تجاذب اجسام کے مسئلہ کی نسبت مولف لکھتا ہے:-

"در کتب قدیمہ آمدہ کہ حال آسمان با زمین چون حال مقناطیس است با آہن پس آسمان از جمیع اطراف زمین را برابر جذب می کند از ین سبب با اینہمہ ثقل بر ہوا ایستادہ است"[4]

(۵) حکماء نے تمام روے زمین کو "ربع مسکون" لکھا ہے، مگر مولف کو اس کی صحت مین تردد ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

"آب و خاک را با این ہمہ وسعت حصہ ہاے متساوی نمودن بکدام دلیل خواہد بود چہ بر ہمہ کس ظاہر است کہ دریاے محیط را کنارہ و دم ناپیدا است و با آنکہ بادشاہی مثل اسکندر ذو القرنین با ہمہ حکماء یونان کہ ہمراہ داشت، ہر چند تلاشہا کرد، جہازہا فرستاد و مطلقاً چیزے از آن کنارہا نیافت و ایضاً درحقیقت زمین نوشتہ اند

[1] صفحہ ۲۷، [2] صفحہ ۱۵۱، [3] صفحہ ۳۱۲، [4] ص ۲۰۱، ہمہ طبع کلکتہ، ہم نے یہ عبارت الندوہ مین علامہ شبلی کی منقولہ عبارت سے نقل کی ہے، جو انھون نے غالباً کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ سے لی ہے، بمبئی کے اڈیشن مین یہ عبارت نہین ہے،

کہ دریائے محیط بگرد اکثر ساز آن در آمدہ است الا در جنوب مغرب و شمال مشرق ہیچکس بدریا نرسید وجہ بنا بر تجارات کثیفہ و جبال شاہقہ و اشجار متراکمہ و کریوہ و مغاک ہائل ہم آدمی را عبور بر آن دو سمت میسر نباشد ولیکن از قیاس تخمینا گویند کہ در آن حد ہم دریا خواہد بود و ہمچنین از حقیقت ظلمات کسی آگاہ نگردیدہ کہ در آنجا آب و خاک چہ مقدار بودہ باشد و این صورت زمین نیز غیر معلومۃ الاحوال ست پس این دو چیز نا معلوم را چہار حصہ مساوی نمودن و از انجملہ زمین را یک حصہ قرار دادن چہ معنی داشتہ باشد"[۱]

تذکرۂ مؤلف | مضامین کتاب کو بیان کرنے کے بعد اب ہم مؤلف کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین،

مؤلف کا تذکرہ سوائے ایک آدھ کتاب کے اور کہین نہین مل سکا، طامس ولیم بیل نے اس کی نسبت چند سطرین لکھی ہین، جو زیادہ تر اوس کے نام ولدیت اور موضوع کتاب پر مشتمل ہین[۲]، البتہ خود مؤلف نے اپنی اس کتاب مین جا بجا اپنے بعض حالات کی طرف اشارات کئے ہین، جن سے اوسکی زندگی کے بعض پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، اور انھی کی مدد سے ہم نے اس کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے،

نام اور ولادت | مؤلف کا نام شیر خان لودی ہے، اور اوسکی ولادت عہد شاہجہانی مین ہوئی تھی چنانچہ اپنی کتاب مین اس نے دو مرتبہ اسکی طرف اشارہ کیا ہے[۳]، ایک جگہ (ص ۱۲۰) مؤلف نے اپنے سلسلۂ تعلیم کو بیان کرتے ہوئے ۱۰۶۶ھ مین اپنے اوستاد کی تاریخ وفات لکھی ہے، اور اس وقت اپنی "صغر سنی" کا ذکر کیا ہے، اس لحاظ سے اس وقت اسکی عمر ۱۳ سال کی فرض کر لی جائے، اور دوسری جگہ (ص ۱۵۱) ۱۰۷۰ھ مین اوس نے اپنے "سن تمیز" کو پہنچنے کا تذکرہ کیا ہے، اس وقت اسکی عمر تخمیناً ۲۰ سال کی فرض کر لی جائے، تو اس حساب سے اسکی تاریخ ولادت ۱۰۵۵ھ مین قرار پاتی ہے، بہرحال خود مؤلف کی تحریر سے تاریخ ولادت کی تعیین ۱۰۵۰ھ اور ۱۰۵۵ھ کے مابین کیجا سکتی ہے،

خاندان | مؤلف کے باپ کا نام علی امجد خان لودی تھا، جو شہزادہ شجاع کے ساتھ بنگال مین ملازم تھا، اور وہین اس نے ۱۰۷۰ھ مین[۴] شب شنبہ ۱۴ شعبان[۵] کو وفات پائی، شیر خان کے چند بھائی بھی تھے اور وہ خود سب بھائیون سے

[۱] ص ۲۸۹، ۲۹۰، [۲] اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری ص ۳۷۹، [۳] ص ۱۲۰، ۱۵۱، [۴] ص ۳۴۰، [۵] ص ۱۲۳،

چھوٹا تھا[۱]، ان مین سے بڑے بھائی عبد اللہ خان نامی نے ۱۰۸۱ھ مین کابل کے پہاڑون مین جام شہادت نوش کیا[۲]، اس کا ایک چچا بھی تھا جس کا نام ناصر خان تھا، اور جس نے ۱۰۷۳ھ مین وفات پائی، ابوطالب کلیم سے اس کی دوستی "موزونیت طبع، سخن فہمی، نکتہ یابی اور لطیفہ گوئی" کی وجہ سے اسکی ہزلعززی کا تذکرہ مولف نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "مجموعۂ خوبیہا بود"[۳]۔

اس کا باپ علی امجد خان بھی ایک ذی علم اور قابل آدمی تھا، جیسا کہ خود مولف نے اس سے تحصیل علم کرنے اور اہل علم کے ساتھ صحبت رکھنے کا جا بجا تذکرہ کیا ہے،[۴]

تعلیم و تربیت | علی امجد خان جب بنگال مین شہزادہ شجاع کی ملازمت مین (۱۰۶۸ھ تا ۱۰۷۰ھ) تھا، تو اسی زمانہ مین شیر خان اپنے دوسرے بھائیون کے ساتھ اس کے فیض تربیت سے مستفید ہوتا رہا، اسی اثنا مین جبکہ وہ ہنوز طفل مکتب تھا، اوس نے ہرات کے ایک فاضل شخص ملا فرخ حسین ناظم سے جو اپنے وطن مالوف سے نکل کر بنگال مین آ پڑے تھے، اور جہانگیر نگر یا ڈھاکہ مین مقیم تھے، تحصیل علم شروع کی، اور ابھی فارسی اور عربی کی چند مختصرات پڑھنے پایا تھا کہ ملا صاحب ۱۰۶۶ھ مین عاشورہ کے دن عین حالت نماز سحر مین اپنے معبود حقیقی سے جاملے، اسکے بعد بنگال مین قحط الرجال کے سبب[۵] کوئی ایسا معلم اسکو میسر نہ آیا، ان کی وفات کے بعد شیر خان نے کچھ صرف و نحو پڑھی، اور اسکے بعد وہ اپنے باپ اور اوس کے احباب کے فیض صحبت سے حسب استعداد تحصیل علم کرتا رہا، یہان تک کہ بے رحم پنجۂ اجل نے ان سب کو اس سے علیحدہ کر دیا،[۶] اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارے مولف کی تحصیل علم کا زمانہ بہت طویل رہا،

ملازمت | باپ اور بھائی کی وفات سے ہمارا مولف بہت دل برداشتہ اور پریشان خاطر رہا، اس حالت مین اسکو دور دراز کے سفر پیش آئے اور تکالیف شاقہ برداشت کرنی پڑین[۷]، آخر کو ۱۰۹۰ھ مین شکر اللہ خان فوجدار سرہند کی خدمت مین پہنچا[۸]، جو اوس سے لطف و عنایات سے پیش آیا چنانچہ شکر اللہ خانی عنایات فیض ... مولف طب المسافر ...

[۱] ص ۱۲۰، [۲] ص ۳۴۰، [۳] ص ۳۴۰، [۴] صفحات ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۸۲، ۲۴۰، ۲۴۴، [۵] ص ۱۲۰، [۶] ص ۳۴۰، [۷] ص ۱۲۱، [۸] ص ۲۴۲،

علمی و فنی قابلیت مؤلف کی علمی قابلیت معلوم کرنے کیلئے اسکی یہ کتاب ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علوم و فنون مین اس کا مطالعہ نہایت وسیع تھا، فنِ موسیقی کی نسبت خود اس کا بیان ہے کہ معتبر موسیقی دانون سے نیز اس فن کی کتابون کے مطالعہ سے اوس نے خاصی واقفیت حاصل کی تھی (۱۶۱) علم طب کے مطالعہ مین دعویٰ کرتا ہے کہ اوس نے کتب طبیہ کا مطالعہ کیا تھا، (صفحہ ۲۶۱)

فنِ شعر مین اُس نے اپنے زمانہ کے مشہور شعراء سے استفادہ کیا تھا، جیسا کہ اوسکی عبارت ذیل سے متبادر ہوتا ہے،

"این مسافر گذرگاہ ہستی و مقیم کوے بیچدانی راکہ نبار سائی رنگ استعداد و فقدان جوہر والا و عدم فطرت بلند داشت در اواخر قرن اول از عمر مستعار قائم ترقی کشان کشان بجناب نگارہ و زمشگاہ ملا سید الرحمن کہ فیض پذیران انوار قدسی دمقتبان شعاشع لمعات قدسی اند آورد، در اول حال چندی اعتماد بر حافظہ خویش نمودہ کاغذ را از قلم و قلم را از دست بیگانہ می داشت و سفینہ و بیاض راکہ در معرض تلف و زوال است لائق محرمیت نمی انگاشت ہمواره نقوش این کلمات قدسی بر لوح سینہ ثبت نمودمی و بتکرار و تذکار آن مشغوف بودی،، (صفحہ ۳۴۵)

لیکن پوری کتاب مین اسکی شاعری کا کوئی نمونہ ہماری نظر سے نہین گذرا، سوائے چند اشعار کے جو اپنے باپ اور بھائی کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے لکھے ہین، یا وہ اشعار جو تتمہ کتاب مین مرقوم ہین، لیکن ان کی نسبت بھی یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ خود اسی کے کہے ہوئے اشعار ہین، لیکن اسمین شک نہین ہے، کہ تمام کتاب کا تاریخی قطعہ یقیناً اسکا طبعزاد ہے،

مؤلف کے طرزِ تحریر و انشا، کا اندازہ مراۃ الخیال کے محولۂ بالا اقتباسات سے بخوبی ہو سکتا ہے،

مذہبیت مؤلف مذہبًا اہلِ تسنن اور صحیح العقائد معلوم ہوتا ہے، اوس کا مشرب زیادہ تر صوفیانہ ہے، اکثر صوفیائے کرام مثلاً امام ابن العربیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ بزرگون کی تصانیف اوسکے پیش نظر رہی ہین، اسکے اہل دل ہونے کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ وہ تین بار خواب مین دیدار نبوی سے مشرف ہو چکا ہے، اس رویائے صادقہ کی مفصل کیفیت اس نے بیان کی ہے، اور تینون مرتبہ حضور کا اشکال مختلفہ مین نظر آنا اوس نے لکھا ہے، اسکے متعلق کسی بزرگ سے اُس نے استفسار کیا تو اونھون نے فرمایا کہ مبتدیون کو ایسا ہی نظر آتا ہے مگر جو منتہی ہوتے ہین ان کو جمال نبوت اپنی شکل اصلی مین دکھائی دیتا ہے [1]،

معاصرین مؤلف نے اپنے زمانہ کے چند شعراء کے حالات لکھے ہین [2]، اور بعض کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کا ذکر بھی کیا ہے، شکر اللہ خان کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو عہدِ عالمگیری کے حکام مین سے شعر و سخن مین مہارت اور خاکسار تخلص رکھتا تھا اسکے ساتھ مؤلف کو انتہائی عقیدت ہے، چنانچہ اوسکے فیوض سے متمتع ہونے کا تذکرہ کیا ہے [3]،

اپنے عہد کے مشہور اور ممتاز شاعر ناصر علی سرہندی کے ساتھ جبکہ مؤلف سرہند مین مقیم تھا اوسکے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے تھے، اور اکثر اسکی صحبتون مین شریک ہوا کرتا تھا، چندروز ملاقات نہ ہو سکی تو ایک مختصر رقعہ (۱۲ سطر کا) ناصر علی کے نام لکھا جس مین شکایت کی ہے کہ

"تموزاین شراب دیدار را در سرب انتظار داشتن آئین کجاست، پابندان سلسلۂ محبت را وقف تغافل کردن رسم کدام شہر

زہجرت بنوعی جگر خستہ ام | کہ مصداقِ این بیت برجستہ ام
برآن ناتوان صید بیداد رفت | کہ در دام ازیاد صیاد رفت [4]،،

ناصر علی نے اس کا جواب دیا ہے جسمین اپنی عدم فرصت اور پریشانیون کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"ملاذا ہشدہ متصل میگذرد کہ نیاز مند تنہا فرصت چشم واکردنی ندارد کہ حلاوت ناگوار در قند کشیدن و سوزن خ ناملائم گرم از پیہم رسیدہ اند"

دلِ غمدیدہ دارم میرس از گرد کلفتہا | صدا در کوہ چون رگ ماندہ از سنگینی آہش،

میرزا محسن ذوالقدر، (ذوالقدر ترکون کے ہان بے خطا تیر انداز کو کہتے ہین) مؤلف کا معاصر تھا، اور اس کے ساتھ مدتون تک اسکے دوستانہ تعلقات رہے تھے، اسکی ایک غزل بھی اس نے اپنی کتاب مین درج کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

"راقم حروف را بعد از مدتہاے آشنائی این غزل بخط خود عطا فرمود،،

اس سے زیادہ مؤلف کے حالات کا پتہ نہین چلتا، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اوس نے کس سنہ مین وفات پائی، البتہ تاریخ تصنیف کتاب کی بنا پر اس قدر یقینی ہے، کہ وہ ۱۱۰۲ھ تک زندہ تھا،

[1] صفحہ ۱۸۱، [2] صفحہ ۲۳، تا صفحہ ۲۶۱، و صفحہ ۲۹۰ تا صفحہ ۳۰۰، [3] صفحہ ۲۴۳، [4] صفحہ ۲۵۳،

اخلاقیات،

از

مولوی سید ابوالقاسم صاحب سرور، دارالترجمہ عثمانیہ،

نفسیات کا تیسرا شعبہ اخلاقیات ہے، اخلاقیات مین بری بھلی عادات وخصائل انسانی کی علٰحدہ علٰحدہ فہرستین مرتب کی جاتی ہین، حیاتِ انسانی کا کارخانہ بہت سی قوتون کی ہم آہنگی سے چل رہا ہے، امیال وعواطف خواہشات ومیلانات، مختلف احتیاجات وغیرہ یہ سب اسی کارخانے کے کل پرزے ہین،

انسان ایسی مصروف کار ہستی ہے کہ وہ منتہاے حیات تک کچھ نہ کچھ کرتی اور کسی نہ کسی کام مین مصروف رہا کرتی ہے، ایک حد تک وہ ذی اختیار بھی ہے، ترتیب وانتظام مین اس کا عزم وارادہ اور افعال کا پروگرام اسی کی خواہش ومیلان کا تابع ہے، اپنے ہم جنسون کے ساتھ سلسلۂ معاشرت مین رہ کر منفعت ومضرت مین سے جس نہج کو چاہے اختیار کرسکتا ہے، اس مین ایک ایسی بسیط قوت ہے جس کے اختیار کی باگ اسی کے عزم وارادہ کے ہاتھ مین رہتی ہے، یہ اپنے اختیار سے کام لیکر اگر چاہے تو جفاکش، مستعد، محنتی بھی بن سکتا ہے، اور کاہلی کی پوٹ بھی، اہم اور پرپیچ معاملات کی گتھیان سلجھانے کی بھی اس مین استعداد ہے اور سطحی ورسمی باتون مین الجھکر رہ جانے کی بھی،

مگر عزم انسانی کی کوئی نہ کوئی غایت ہونا لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ تنہا ارادہ کا وجود بغیر کسی غایت ومقصد کے ہو ہی نہین سکتا، انسان جس نصب العین کی طرف ارادہ کی باگ پھیرتا ہے جس مقصود وغایت تک افعال کی مدد سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اخلاقیات اسی مقصد وغایت کی نوعیت کو جانچتی اور اسی کی ٹوہ مین رہتی ہے، اخلاقیات ہی سے انسان یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ کس قسم کی رفتار سے شاہراہ حیات طے کرنا چاہئے اور زندگی کا مقصود کس چیز کو قرار دیا جائے، اخلاقیات کو نوعیتِ عمل کی تعیین اور تشکیلِ حیات کی تخصیصی تعلیم وتربیت کا ایک مہتم بالشان کارنامہ کہین تو نامناسب نہین،

فکرِ انسانی یہ وہ اعجوبہ زا قوت ہے کہ جس سے وہ خود اپنی کنہ وماہیت کی نسبت تفتیشی اُدھیڑبن مین منہمک ہونے کے لائق بنجاتا ہے اور اسی قوت کی بدولت انسان اپنی ہستی کی غرض وغایت کے معلوم کرنے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے، اسی سے درست نادرست افعال مین امتیاز کرتا ہے اور اپنے افعال وکردار کی رہبری کے لیے اصول وقوانین معین کرتا ہے، ان قوانین وقواعد کے معلوم کرنے کے واسطے اُسے غیر معمولی دقت نظر سے کام لینا پڑتا ہے اور کافی غور وخوض کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی قسم کے سوچ بچار کے مجموعہ کو **علم الاخلاق** کہتے ہین،

انسانی افعال کے ماخذ اور محرکاتِ ارادی، افعال اور ان کے ماخذ اخلاقی احکام اور وجدانات قوانین ومقاصد کی تحقیق وغیرہ ان مین سے ہر ایک کا جانچنا پرتالنا، بحث کرنا علم الاخلاق سے متعلق ہے وہ کون سے محرکات ہین جن سے بعض اوقات اس وقت وحالت کے مدنظر انسان مین ایک خاص طرز پر کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے، خیر وشر کا علم انسان کو کونسی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اور اس معلومات کی سوغات انسان کے پاس کہان سے آتی ہے؟ علم الاخلاق ہی اس قسم کے استفسارات وسوالات کے جوابات دیتا ہے؛

ایک مہذب انسان بجاے خود محسوس کرتا ہے کہ اسی مین ایک صداے مستتر یا ایک صوت پنہان یا ایک نداے مخفی کا ایسا مستقل وجود ہے، جو صواب وخطا مفید وغیر مفید، اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال مین حد ودامتیاز کھینچتی اور نوعیتِ عمل پر نظر ڈال کر ایک معین طریقۂ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے، اس قسم کی صوت[1] ضمیر کے نام سے موسوم ہے، یہ اطلاع باطن خارجی اقتدار کے قیود سے یکسر بے نیاز ہے، حاسۂ اخلاق اس وقت سے انسان کا رفیقِ حیات ہے جب فلسفیانہ دقیقہ رسی نے اخلاقی مسائل کو ہاتھ تک نہین لگایا تھا، مگر اس وقت بھی حاسۂ اخلاق ہی کے معین کیے ہوئے طرقِ اعمال پر انسان عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور تھا،

---

[1] شریعت اس طرح کی صوت ضمیر کو "لطف خفی" سے تعبیر کرتی ہے، ۱۲

احساساتِ وجدان، اور تصوراتِ مذہبی اس کے ماخذ تھے یا ایسے فیصلے جنہین عملی اغراض کے واسطے کسی جماعتِ انسانی نے چند ضابطے اور قاعدے ترتیب دیدیئے تھے، اس طرح کے قواعد کی نوعیت سر تا سر رواجی ہی رواجی تھی، جن کی اغراضِ عملی پر بنیاد تھی اور قانونِ خارجی کے تابع تھی، کثرتِ استعمال نے ان قواعد کو مستند بنایا اور آگے بڑھ کر یہ ضروری اور لازمی ہوگئے، انھین سے رسم و رواج اور عادت کی کونپلین پھوٹین اور ارتقا کی روئیدگی کا قدم آگے بڑھا، یہانتک کہ انھین کی پابندی خوش اخلاقی بنگئی اور خلاف ورزی بد اخلاقی،

فلسفۂ اخلاق کا کام کیا ہے، رسم و رواج اور عادات کو یکجا کر کے ترتیب دینا، رواج اور ضوابط کی تفتیش و تحقیق کے بعد ان کو پسند یا ناپسند کرنا، اخلاقیات، اخلاقی سرمایہ کو فراہم کر کے اس سے ایسے قاعدے اخذ کرتی ہے کہ جو افعالِ انسانی کو افراط و تفریط سے بچا سکین، اور یہی اخلاقیات انسان کو اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ اسے انسانی حیات مین کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیے،

تجربۂ عام کی یادداشت دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل اختیار کرنا چاہیے، بلکہ اس کے خلاف بسا اوقات اسے اس قسم کے افعال سے جو اس کے لیے انبساط آور ہین احتراز کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، اور دوسرون کی خواہش کی متابعت کرنی پڑتی ہے، اس بنا پر انسان مجبور ہے کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کا نقشہ ماحول اور اقتضائے حالات کے موافق مرتب کرے، خیر و شر، نیک و بد یہ الفاظ جس طرح پہلے اختلاف کا مرکز تھے اسی طرح اب بھی بہ دستورِ سابق اسی حد پر قائم ہین، وقت و مقام، صورت اور حالات ایک ہی فعل کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہین، ایک صورت مین وہی ایک فعل اچھا اور دوسری صورت مین وہی اچھا برا خیال کیا جاتا ہے، کسی وقت و مقام سے ایک فعل محمود اور اس کی تبدیلی سے پھر وہ محمود نہین رہتا، بلکہ بالعکس مذموم شمار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر و شر کے تصورات کی تجدید کی ضرورت اخلاقیات کو پیش آتی رہتی ہے، اور اس قسم کے تصورات کا تغیرِ زمانی کے ساتھ تغیر پذیر ہونا اور ترقی پانا یا ان کے عدمِ تغیر وغیرہ کی نسبت کافی تحقیق و ثبوت اسے مہیا کرنا پڑتا ہے،

اخلاقیات انسان مین حیاتِ اخلاقی کا نمایان شعور ظاہر کرتی اور وہ تصوراتِ اخلاقی جن کی مروجہ رسم و رواج نے تشکیل دی ہے، ان کی صحت و سقم کے جانچنے اور پرکھنے کے لیے معیار معین کرتی ہے، منتہائے اصول اخلاق کی تفہیم یا قواعد اخلاق کے ترک و اختیار کرنے کا صحیح مشورہ اور انسانی میلانات و افعال کی تنقید اعمال انسانی کی نوعیت کا اظہار اور حیاتِ انسانی پر کردار کی نوعیت اثر، عزم انسانی کی رہبری، وجود اشیائے کی دلیل اخلاقی کی سراغرسی اور اس قسم کے اشیا کی قدر و منزلت کی تعیین جنکا انحصار انسان کے ارادہ پر ہے، تشکیل حیاتِ انسانی کی نوعیت اور انضباط افعال انسانی یہ جملہ فرائض اخلاقیات ہی انجام دیتی ہے اخلاقیات ہی کی تعلیم سے انسان مقصدِ حیات کا تعین کر سکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کتنے حیات کے اجزا کو کس طرح ترتیب دینا چاہیئے اور افعال کے سلسلہ کو کس طرح مسلسل بنایا جائے تاکہ حصولِ مقصد مین کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے،

افلاطون اور خاصکر ارسطو نے حقائقِ اخلاق پر غور و خوض کی ابتدا کی، اس کے یہ معنی نہین کہ ان دونون مین سے کوئی اخلاقیات کا موجد ہوا، نہین اس سے بہت پیشتر ذہن انسانی افعال کی تنقید خیر و شر اور اخلاقی غیر اخلاقی افعال مین امتیاز کرنے کا خوگر ہو چکا تھا، واقعات و مواد کو یکجا کر کے ان کے اسباب و محرکات کی نوعیت کو عقلِ بشری نے معلوم کرنے کی کوشش کی، مثلاً قتل و خونریزی، رہزنی، غارتگری، یہ افعال کیون اچھے نہین، دروغ گوئی کس لیے مذموم ہے، صداقت و راستی کس بنا پر اچھی ہے،

ذیل کے خیال سے فلسفۂ اخلاق کا یونان مین آغاز ہوا، ایک خیرِ برتر جلوہ گر ہے جس کے تجسس مین انسان سراسیمہ پڑا پھرتا ہے، اس خیرِ برتر کی حیثیت ذریعہ و آلہ کی سی نہین، یعنی یہ کسی اور شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہین، بلکہ اس خیرِ برتر کی حیثیت ایک مہتم بالشان مقصد کی ہے، یہ ایسا مقصد وحید ہے جسے عمل کے ذریعہ سے انسان پا سکتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے لیے افعال انسانی کی تنظیم کی ضرورت ہے، یہ خیر مسرت کے نام سے نامزد کیجاتی ہے، جسے کردار انسانی بہ طور ایک اعلیٰ مقصد کے جس کے تمام اغراض و مقاصد تابع ہین

حاصل کرنے کی خواہشمند ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی انفرادی مسرت انتہائی خیر ہے، اسے ماننے کے بعد یونانی فلسفۂ اخلاق نے یہ اہم استفسار پیدا کیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انتہائی مسرت کونسی ہے، کیا ہے، اور اسکے حصول کے امکانی ذریعے کیا کیا ہیں، اس کے جوابات مختلف طور پر دئے گئے،

سقراط کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی مسرت "علم صداقت" میں مضمر ہے، علم وہ نیکی ہے جو بہ امعانِ نظر مطالعہ سے کسب کیجاتی ہے، سقراط اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ کوئی شخص جب تک اس کو علم نہ ہو جائز عمل و ناجائز طریقہ کا استعمال عمداً نہیں کر سکتا، اگر ایسا شخص کسی فعلِ ناروا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا سبب محض عدم علم ہے، کیونکہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے کہ صاف اور سیدھا راستہ کونسا ہے، ذی ہوش و ذی عقل شخص ہی نیک کردار اور مسرت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ وہ مقصد علم سے بخوبی آشنا ہے اور حقیقۃً یہ علم ہی اعمال انسانی کا مقصد اعلیٰ اور فضیلت و نیکی کے ہم معنی ہے، مگر فضیلت و عدل، علم و فکر کی شرکت کے بغیر محض تربیت و عادت کی بنا پہ حاصل ہوں، تو یہ طریقہ اس بنا پر چنداں محمود نہیں قرار پا سکتا کہ عمل کی سلسلہ جنبانی علم کے بغیر گھٹا ٹوپ تاریکی میں کسی چیز کے ٹٹولنے کے مساوی ہے، اس میں کلام نہیں کہ کبھی اتفاق سے یہ طرز ٹھیک اور سیدھے راستہ پر بھی لگا دیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے تسکینِ باطن اور طمانیتِ خاطر نصیب نہیں ہوتی، یہاں پہنچکر تصورِ خیر کی صحیح تعریف معلوم کرنے کی ضرورت ہے،

افلاطون اور اس کے ہمنوا کہتے ہیں کہ **خیر** وہ ہے جو سرمایۂ مسرت عطا کرتا ہے، اور **عدل** وہ ہے جس کی تحصیل کی انسان میں قوت مخفی و پنہاں ہے، افلاطون کے نزدیک عدل اور خیر رائے سے آزاد او تصورِ الہیت کے مماثل ہیں، افلاطون نے اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیاد مابعد الطبیعیات پر رکھی ہی کی یہ تعلیم ہے کہ فن کردار انفرادی اور اجتماعی حیاتِ انسانی میں اس قسم کی ترتیب و موافقت پیدا کرنے کی سعی پر مشتمل ہے جو اس عالم کے صفاتِ الٰہی میں داخل ہیں، اور اس خیرِ برتر سے تشابہ پیدا کرنا جس سے روحِ انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پہلے دولتِ نظارہ حاصل کر چکی تھی، اس کے حصول کے لیے فضائل چہارگانہ کا اکتساب ضروری اور لازمی ہے، یعنی:-

حکمت، عفت، شجاعت، عدالت،

حکمت کی تنظیم و تشکیل سے **عدل** پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے، ان فضائل چہارگانہ میں مقدم الذکر یعنی حکمت اور مؤخر الذکر یعنی عدالت انھیں دو فضیلتوں کی بہت زیادہ اہمیت ظاہر کیگئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ سب سے بڑھکر حکمت اور عدل کے مطابق انسان کو عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے، آگسٹ کامٹ کا بیان ہے کہ ارسطاطالیس حقیقت پسند مفکرین کا سرخیل اپنی اخلاقیاتی تحقیق کی ابتدا افلاطون کے اس سوال سے کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اعلیٰ اور انتہائی مقصد و غایت کیا ہے، کونسی انتہائے خیر کے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش ہے، اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اعضاء والی ہستیوں میں صرف ایک انسان ہی ایسی ممتاز و نمایاں ہستی ہے کہ جو احساس و خواہش کے علاوہ عقل بھی رکھتی ہے، تنزل اس کا حیوانیت سے ہمدوش ہے، اور اس کی عقل و فہم خدائے برتر سے تشابہ رکھتی ہے، حیوانی اور عقلی قوتوں کی قربت و اتصال سے انسان اخلاقی ہستی بنجاتا ہے، اس لیے حیوانی و عقلی عنصروں کے اتحاد و ہم آہنگی ہی اخلاق کے نام سے موسوم ہے، محض تخیل کی بستیاں بسانے والے پر اخلاق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حقیقی طور پر اس کا مصداق وہ شخص ہو سکتا ہے جو فکر کے ساتھ تدریجاً سراپا عمل ہو اور خواہشات و ترغیبات سے متاثر ہوتا ہو، اس لیے صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے کے لیے اُسے قوت تمیزی، عقل اور عزم آزاد کو حیزِ عمل میں لانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اخلاقی فضائل عزم و عقل انسانی کی موافقت و اتحاد سے وجود میں آتے ہیں، اور انھیں مسرت، انتہائی خیر یا مقصدِ حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے،

سقراط فضیلت کی نسبت کہتا ہے کہ یہ عادت و تربیت کا ماحصل نہیں بلکہ مجموعہ عقل ہے، جس کی بنا حکمت اور اخلاقی بصیرت پر قائم ہوتی ہے، مگر ارسطو کی نظر میں مشق و مزاولت، عادت و تربیت، کی ایک خاص اہمیت ہے اور ان کا ہونا ضروری ہے، ارسطو کے نزدیک اخلاقی فضائل مخصوص و معین عادات کے نتائج ہیں جو عقل و حکمت کی رہبری کی بدولت رونما ہوتے ہیں، سقراط کا خواہش کے مقابلے میں عقل کو مرجح اور غالب قرار

دینا، زینو کی تعلیم کا مرکز اور مبدا ہے، سقراط کے اسی خیال سے زینو نے متاثر ہو کر یہ خیال پیدا کیا کہ نیکی مین شاہانہ احتیاج نہین، وہ ہر شے سے بے نیاز ہے، ایک دانشمند فقیرون کے سے پھٹے پرانے کپڑون مین مست رہتا ہے، ترکِ مطلب سے بے نیازانہ طور پر نہایت سادہ اور آزاد زندگی بسر کرنے کا خوگر ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کی تبدیلی اس کے بس کی بات نہین، اس قسم کا یقین اسے فطرت کی متابعت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بطیبِ خاطر فطرت کے سامنے سرِ تسلیم جھکا کر اسی کا متبع بنجاتا ہے، بخلاف ایک سفیہ اور نادان کے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی سے بے سوچے سمجھے بات بات پر فطرت سے لڑتا جھگڑتا اور آخر مین ہار جھک مار کر اور اپنے مین تابِ مقاومت نہ دیکھکر مجبوراً فطرت کے روبرو اپنے ہتھیار ڈالدیتا ہے،

رواقیین کسی چیز سے اثر نہین لیتے، وہ اس بات کے قائل ہین کہ احکامِ فطرت کے مطابق قیامِ اشیاء رہا کرتا ہے، اور اسی کو تقدیر کہتے ہین، ابیقورین کا ماحصلِ تعلیم یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کی انتہائی غایت اور مقصد جو بھی ہے وہ صرف مسرت ہی مسرت ہے، اس اکتسابِ مسرت مین عقل معین و مددگار ہوتی ہے اور یونانی فلاسفہ کے مثل اخلاق کو مسرت کے مماثل ماننے مین یہ بھی انھین کے ہمخیال ہین، اور نیز فنِ کردار کی نسبت یہ تسلیم کرنے مین بھی ان کے ہمنوا ہین، کہ اطمینان اور سکون کی نوعیت تحصیل کی تعلیم فنِ کردار سے حاصل ہوتی ہے صحیح طریقہ پر کسی شخص کی غرض و غایت اور دلچسپی معلوم کرنا اس طبقہ کے نزدیک معیارِ اخلاق بس یہی ہے، لذت کی خواہش پر اور خلافِ فطرت عمل اختیار کرنے پر قربانی اور ایثار منحصر نہین، بلکہ حقیقۃً ایثار اور قربانی یہ دونون کے دونون فکر و غور کے ماحصل اور اسی کے نتائج ہین، ذی فکر ہستی ہونے کے لحاظ سے مستقبل کی آنے والی لذتون سے بہرہ ور ہونے کے لیے انسان موجودہ لذات سے دستکش ہو سکتا ہے، قیام پذیر، عسیر الفنا، طمانیت و سکون اور لذائذ ذہنی جن سے کارگاہِ حیات کے آلام و مصائب انقلاب کے دہشتناک منظر انسان کی نظر مین ذرہ بھر نہین جنچتے، انھین ذہنی لذتون کی ڈھارس سے معرکۂ حیات مین ثابت قدم رہ کر کڑی سی کڑی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ان دیرپا ذہنی لذتون کے سامنے سریع الفنا لذتین بالکل بے حقیقت

اور سراسر فریبِ نظر سے زائد نہین،

خواہشِ لذت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُسے عقل کی نگرانی اور اسی کی زیردستی مین رکھا جائے اس بنا پر کہ بعض اوقات بعض لذتون کا سلسلہ الم آفرین فضا کی جانب لیجاتا ہے، عقل کی نگرانی مین اس قسم کی بیراہروی کا احتمال باقی نہین رہتا، جسم کی صحت، نفس کا سکون، اور اس سے مسرت و انبساط کا پایۂ کمال پر پہنچنا یہ سب باتین اسی طریقے کے برکات اور اسی کے نتائج ہین، مہذب انسان کے لیے منازلِ حیات کا اس طرح قطع کرنا کہ اصولِ حیات دانش آموزی اور عزت و عدل کی فضیلت سے یکسر خالی ہون قطعاً ناممکن ہے، اسی طرح محض عزت و عدل کی زندگی بسر کرنا جس مین لذت کا شائبہ تک نہ ہو یہ بھی غیر ممکن اور محال، گریزپا اور زوال پذیر اذیت و تکلیف برداشت کرنا دوامی لذائذ سے متمتع ہونے کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے ایسی سکون آفرین اور اطمینان بخش کیفیت جو زندگی کی دشواریون، اذیتون اور تلخیون سے انسان کو بچاتی ہے، ابیقورین لذت سے یہی مراد لیتے ہین، اس قسم کے احساسات حاشا ان کے مطمحِ نظر نہین جو گذرنے مین دھوپ چھاؤن سے زیادہ گریزپا ہین،

فلسفہ کی دقیقہ آفرینیان جب روحِ انسانی کے لیے سرمایۂ طمانیت فراہم کرنے سے عاجز آجاتی ہین تو مذہب تسلّی اور تسکین کا اندوختہ لیے ہوے سامنے آتا ہے، اور فلسفہ کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنا کاروبار پھیلا دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ادوارِ پیشین مین قدیم یونانی فلاسفہ کی جگہ عیسائی اولیا کی مسندین بچھی نظر آتی ہین مسیحیت نے کوچۂ فکر مین جس قسم کی کایا پلٹ کی نوعِ انسانی کے کارنامون مین وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اس انقلابِ فکر کے سامنے یونانی نظریون کی کچھ پیری نہ چل سکی، اخلاقیات کا چشمہ مکدر خس و خاشاک سے پاک و صاف کر دیا گیا، اس کو نٹشے نے تجدیدِ قدرت سے تعبیر کیا ہے،

عیسائیت کو نظرِ غائر سے دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم دی وہ ایک حد تک یہودیون کی تعلیم کا نشر و احیا تھا، اس سے یہ ہوا کہ مغربی فضا قدیم زمانہ کے نظریاتِ اخلاق سے گونج اٹھی یہودیون کی اخلاقیات کی

عمارت دینیات کے ستونون پر قائم تھی، اور اسکی بنیاد مذہبی رنگ کے اصول پر یہودیت نے آئین و قانون تنظیم الٰہی کا خلاصہ، ماحصل، نتیجہ، یا اوامر ایزدی کی تعمیل مفہوم اخلاق کو قرار دیا تھا، اور اسی بنا پر یہ خیال پھیل گیا کہ کردار انسانی کی رہبری کے لیے ربانی وضع کردہ آئین و قواعد کی پیروی لازم و واجب ہے، ازروئے اخلاق جس شے پر خیر کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس سے خدائے عزوجل خوش ہوتا ہے، یا آئین خداوندی اور قانونِ اخلاقی یہ دونون ایسے توام تصورات ہین کہ جنھین باہم جدائی نہین ہو سکتی، خلاق مطلق کی محض نسبت آفرینش ہی کسی شے کی اچھائی کا سبب نہین، بلکہ خود اس شے کا اچھا ہونا ہی اس کی پیدایش و آفرینش کا سبب قوی ہے، چونکہ وہ شے خود اچھی تھی اس لیے وہ پیدا کیگئی، اس لئے کہ ایک عنصر قوی، ایک مرکز زبردست، ایک ہمہ گیر مقصد، ایک عالمگیر مدعا جو بھی ہے وہ صرف اخلاق ہی ہے، جرمن فلسفی ہرمن لوٹزے کا قول ہے کہ عمل اجتماعی اور ردعمل اس سے اقتدار اخلاقی کے شعور مین نمایان بالیدگی ظاہر ہوتی ہے، یہودیت اسی اقتدار کو ازدی عزم و ارادہ کی صورت مین دیکھنا پسند کرتی ہے، یعنی یہودیون کے مسلک مین یہی اقتدار ربانی ارادہ کی ماہیت مین دکھائی دیتا ہے، اس اقتدار کی متابعت اختیار کرنے کے لیے ربانی الاصل سلطنت کے زیر سایہ بسر کرنیوالی قوم اور افراد قوم کا میلان باطنی اور عمل خارجی ان سب کی ضرورت ہے، اس کے اصول اساسی جن کے واسطے عدل و نکوکاری اختیار کرنا لازمی ہے وہ تین ہین محبت الٰہی، محبت مخلوق باری، اطاعتِ اوامرِ ایزدی، حیات انسانی کی غایت اصلی اور مقصد انتہائی کیا ہے؟ ذات انسان کا درجۂ کمال پر فائز ہونا اور اس اکتساب تکمیل کا سامان کیا ہے؟ فطری قوتون کا استعمال صحیح، جس کا مآل مسرت سے ہم آغوشی ہے، یونانی اخلاقیات کی تعلیم کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جو نظر سے گذرا، لیکن مسیحی اخلاقیات نے خواہشات فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونون پر روح کی فرمانروائی قائم کی اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشات فطری اور جسم پر روح کو غالب رکھنے کی دھن مین حیات فطری اور اس کے اغراض و مقاصد سے طبیعتین بیزار ہونے لگین، عزلت گزینی اور خواہشون کے ترک کرنے کی نسبت میلان و رجحان نے قدم بڑھایا، تجرد، رہبانیت،

مرتاضیت کے اعتکاف کی طرف لوگ جھک پڑے اور یہان سے لیکر وہان تک حیات غیر فطری سبھون کا نصب العین بنکر رہ گئی، اکتساب روحانیت کے جوش و خروش سے عبادتگاہون کے خلوتکدے ہروقت معمور رہنے لگے، اور اس ہروقت کی ریاضت نے آگے بڑھکر ایک یہ نئی اپچ پیدا کی کہ طبعًا انسان معصیت مین گرفتار ہے، اسکی ذاتی جدوجہد انتہائی خیر کی بلندی تک اسے نہین پہنچا سکتی، آلودۂ معاصی انسان کے منھ پر اسکی بالطبع معصیت کی وجہ سے ابواب نجات بالکل مسدود ہین، لیکن عطیۂ نجات محض رحمت باری ہی اُسے مرحمت کر سکتی ہے، یا کبھی اتفاق سے اسی عطائے جزیل کو کلیسا کا اقتدار روحانیت بھی عنایت کرتا ہے، اسی قسم کے خیال نے عیسائیت کی تعلیم اصلی اور اس کے نظریات کو پایۂ اعتبار سے گرایا اور لطف یہ کہ گھر والے ہی اس کی تضحیک و تشہیر کے باعث ہوئے، موجودہ عیسائیت اور یہودیت فکر و عمل مین حسن اخلاقی کے نشو و نما سے غافل اور رسوم ظاہری کی بندشون مین پھنسی ہوئی ہے،

خسرو باغ الٰہ آباد

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، مؤلف "حیاتِ جلیل" الٰہ آباد

تعارف

مغلون کے زمانہ مین بادشاہزادے عموماً سلطان کہلاتے تھے اسی لیے شاہزادہ خسرو بھی "سلطان خسرو" کہلاتا ہے، وہ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا، جے پور امبیر کی راج دولاری راجکماری رانی مان بائی مخاطب بہ شاہ بیگم کے بطن سے تھا، اکبر اعظم کے سے نامور دادا کے سایۂ شفقت مین پرورش و تربیت پائی، دربارِ شاہی مین مرزا راجہ مان سنگھ اس کا ماموں اور خان اعظم مرزا کوکلتاش اس کا خسر دو زبردست حامی و معاون موجود تھے، جہانگیر کو محروم کرکے خسرو کو تاج و تخت دلانے کا ولولہ دونون کے دلون مین موجزن تھا، یہ تو اکبر کو بھی کبھی کبھی ماننا پڑا تھا کہ باپ سے زیادہ بیٹا فرمانروائی کی استعداد و قابلیت رکھتا ہے، اس کے فیصلۂ قطعی اور اعلان کے موقعے بارہا پیش آئے اور ٹلتے رہے، بالآخر تقدیرِ الٰہی نے کارفرمائی کی، جب وقت آیا تو جہانگیر آگرہ مین تخت پر بیٹھا، اس نے شاہزادہ اور اس کے واسطہ دارون کی اسم... دلداری اور عزت افزائی مین حتی الوسع دریغ نہین کیا، مگر جو ہونا تھا ہو کر رہا، خسرو اپنے بندی خانہ یعنی قلعہ آگرہ کے شاہ برج سے بھاگا، بغاوت کی، بادشاہی فوجون نے تعاقب کیا، لاہور پہنچکر مقابلہ ہوا، بیٹے نے شکست کھائی، گرفتار ہوا، مدۃ العمر قید و بند مین رہا، کبھی پدری شفقت کا دریا موجزن ہو جاتا، کبھی سیاست کا جذبہ غالب آتا، انھین شدائد و مصائب مین وہ اپنی زندگی قید و بند مین گذارتا رہا، چھوٹے بھائی شاہجہان کی تمام تدبیرین اور سازشین خسرو کو پامال کرنے

اور راستہ سے ہٹا کر تخت پر پہنچ جانے کی کارگر و کامیاب نظر آنے لگین، خورم مہم دکن پر بھیجا گیا، خون کے جوش اور مہر و محبت کے دعوی اور دلدہی و پرداخت کے حیلے سے بڑے بھائی کو ساتھ لیکر چلا، خسرو کا انجام سب کے پیش نظر تھا، محلاتِ شاہی اور بیگمات مین کہرام برپا ہوا، اراکینِ دربار و وزرائے سلطنت حزین و غمگین خاموش کھڑے تھے، سرمست جہانگیر کی عبرت آنکھین نہین، کان بھی نہ تھے، بے بس و بیکس اسیر قفس خسرو، دکن مین اپنے صاحب تقدیر باتدبیر و قوت بازو شاہجہان کے حکم و اشارہ سے ہلاک کر دیا گیا، زمانہ ساز و زمانہ شناس مورخ قولنج کا درد اور قضائے الٰہی کی مشیت بتاتے ہین، ممالکِ غیر کے سیاح کچھ اور لکھتے ہین، جیسے جو کچھ تحقیق ہوئی تذکرۂ خسرو مین مفصل حوالۂ قلم کر دیا ہے، نعش برہان پور (دکن) مین سپرد خاک کر دیگئی، چھ مہینہ بعد جہانگیر کے حکم سے نکالی گئی، نتیجہ تحقیقات کے بارہ مین سب خاموش ہین، الزامات و شبہات ثابت ہوئے یا رفع کر دئے گئے؟ دیکھ بھال کی گئی، جراحی اور تشریح اعضا بھی عمل مین آئی ہوگی، پھر براہ آگرہ جنازہ الٰہ آباد بھیج دیا گیا، فرسودہ و بوسیدہ ہڈیون نے مان (شاہ بیگم) کی آغوشِ محبت یا قبر کے قریب جگہ پائی، خسرو باغ آج انھین دونون کی بدولت آباد ہے اور مظلوم شاہزادہ کا نام روشن کر رہا ہے

مرحوم دل بھی کیا تھا، کیا حسرتین تھین اس مین
اب تک کچھ اس کی باتین میری زبان پر ہین،

"مقبول"

بیابانِ محبت، دشتِ غربت بھی، وطن بھی ہے   یہ ویرانہ قفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے،

اس کرۂ آب و گل کے جس زندان خانہ مین شاہزادہ خسرو کا پیکر خاکی اس وقت محفوظ ہے، وہ اکبر کے مشہور و بے نظیر قلعہ سے ایک کوس پچھم واقع ہے، شہر الٰہ آباد مین آبادی سے بعض سمت ملا ہوا، اور بعض سمت جدا، ایک نہایت وسیع و پرفضا فرحت افزا باغ ہے، جس کو جاننے والے "خسرو باغ" کے نام سے جانتا ہ

پکارتے ہین، وجہ تسمیہ کسی اہل قلم نے نہین لکھی، خواہ اس وجہ سے کہلاتا ہو کہ خسرو کی مان وہان دفن ہوئی یا خسرو نے اپنی غمناک واندوہگین زندگی کے کچھ دن کبھی یہان کاٹے تھے، یا اس سبب سے کہ سواتین سو برس سے یہ باغ خسرو کی دائمی خوابگاہ ہے،

پینتالیس[1] سال ہوئے جب مین اس باغ کو پہلے پہل دیکھنے گیا تھا، اس کے متعلق تاریخی سرمایہ فراہم کرنا چاہا تو ان پیران لگراہ سے بھی، جو رہنما یا گائڈ کہلاتے ہین، معلومات حاصل کرنا چاہے، ارشاد ہوا کہ یہ جگہ بہت پرانی ہے، پراچین زمانہ کی، پہلے یہان پراگ جی مہاراج کا مندر تھا، جنھون نے یہ شہر بسایا ہے، ایک طالب علم کی تشفی وطمانیت کسی کتابی سند کے بغیر دشوار تھی، اس لیے ورق گردانی شروع ہوئی، مطالعہ وتحقیق کے دوران مین جنرل کننگھم کی رپورٹ محکمۂ آثار قدیمہ[1] سے پتہ چلا کہ پراگ دراصل ایک برہمن کا نام تھا، جو اکبر بادشاہ کے عہد مین گذرا ہے، وہ ایک بے حقیقت وکم مایہ شخص تھا، اس کی یا اس کے نام کی شہرت کا راز صرف اس قصہ مین مرکوز ومذکور ہے کہ جب اکبر کے حکم سے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تو سمت دریا کی دیوارین بار بار بنائی جاتی، اور گرجاتی تھین، علما تعمیرات کی کوششین بے کار ثابت ہوئین، تو بعض واقف کار ودانشمند لوگون کے مشورہ وصوابدید سے بادشاہ کو اطلاع کی گئی کہ جب تک بنیاد مین کسی انسان کا خون بھرا نہ جائیگا، بنیادین قائم نہین رہ سکینگی، چنانچہ اعلان عام کیا گیا، اور ایک برہمن جس کا نام پریاگ تھا، بخوشی خاطر از خود سامنے آیا، اور اپنی جان اس شرط پر نذر کی کہ قلعہ کا نام اس کے نام پر رکھا جائے،

مسٹر ہنری ایلیٹ کی بحث وتحقیق جو الہ آباد کی قدامت کے متعلق ان کی کتاب سپلی منٹل گلاسری مین مندرج ہے[2]، مندر کے اس واقعہ کی تردید کرتی ہے،

انگلستان کا مشہور جوہری اور جہاندیدہ سیاح ٹیورنیر جو دسمبر ۱۶۶۵ء مین الہ آباد آیا تھا[3]، اور یہانکی بہت

[1] محکمۂ آرکیالوجی کی رپورٹ بابتہ ۱۸۶۲ء حصہ اول، صفحہ ۳۰۰ و ڈسٹرکٹ گزیٹر الہ آباد، مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۱ (جلد ہشتم)
[2] صفحہ ۲۷۹، [3] بحوالہ سیاحت نامہ وتذکرہ سلی مین، حصہ دوم، صفحہ ۲۲۵،

سی باتین، اچھی بری کہہ گیا ہے، اس بارہ مین کیون خاموش ہے!

اس قسم کی زبانی روایات کی تغویت کا ثبوت ایک اور ملتا ہے،

سر ولیم سلی مین نے ایک موقع پر[1] دعوی کیا تھا کہ "اس ملک مین مسلمانون نے جیسے ہی قدم رکھا اور اپنی وسیع فتوحات کا دائرہ پھیلایا تو ہندوٴن کے شہر ویران اور اوجڑ ہونے لگے" مگر اس کا شافی جواب خود انھین کی کتاب کے مرتب اور مصحح ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے اسی جگہ دیدیا، وہ اپنے نوٹ[2] مین لکھتے ہین کہ "یہ بیان بہت زیادہ عمومیت رکھتا ہے، بنارس الہ آباد (پریاگ) اور بہت سے اور بڑے بڑے قصبے اور اہم شہر ہندوٴن کے کبھی ویران نہین ہوئے، باوجود تمام انقلابات کے آباد و بارونق قائم رہے ہین، یہ صحیح اسی قدر ہو گا کہ خاص خاص مندر اکثر مقامات پر ضائع یا خراب کر دیئے گئے اور زیادہ تر مسجد بنا دیئے گئے"،

اس جگہ مندر یا کسی پرانی عمارت کا کوئی نشان پایا نہین جاتا، بخلاف اس کے یہ واقعہ پیش نظر آجاتا ہے کہ یہ عہد تو اکبر کا تھا، جس نے مسٹر نیویل اور ان کے گزیٹیر (سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء) کی روایت[3] کے بموجب "الہ آباد کے پرانے مندرون کو بھی قائم رکھا، کوئی دست اندازی نہین کی، اور قلعہ بھی تعمیر ہو گیا، اس سے بڑھکر کوئی نمایان اور قابل تقلید مثال اس نیک نفس بادشاہ کی مذہبی رواداری اور اعتدال پسندی کی کیا ہو سکتی ہے"۔

ڈاکٹر فوہرر کی روایت سے بھی اس کی کچھ اصلیت پائی نہین جاتی، وہ لکھتے ہین[4] کہ "اکبر نے یہان قلعہ بنایا یا شہر بسایا، الہ آباس نام رکھا، جو بعد کو الہ آباد ہو گیا، ورنہ پریاگ پرانا نام اور پرانا مقام ہے، مشہور چینی سیاح ہیون سانگ[5] جو ساتوین صدی مین آیا تھا، یہی نام لکھتا ہے، جو گمان غالب اشوک[6] کے وقت سے چلا آتا ہے"

[1] ریمبلس اینڈ ری کلکشنس جلد دوم ص ۱۰۱، [2] نوٹ ذیل صفحہ بالا، [3] صفحہ ۱۷۱، [4] ممالک مغربی وشمالی اودھ کے صنادید قدیمہ نورانی کتاب، صفحہ ۱۱۰، [5] اس نامور شخص کی سیاحت ۶۲۹ء مین شروع ہوئی تھی، اس نے ہمارے ملک کی ہر چیز کو غور واحتیاط سے دیکھا ہے، اور اس زمانہ کے زاویۂ نظر اور نقطۂ نگاہ کے مطابق ضروری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، فاضل مورخ الفنسٹن نے اپنی تاریخ کے ضمیمہ ۹ جلد چہارم مین اسکے مفصل حالات تحریر کئے ہین، نیز اگر اہل قلم تے پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کا صفحہ ۱۳۴ بھی ملاحظہ ہو، [6] ہندوستان کا مشہور منتظم فرمانروا اشوک جناب مسیح سے دو سو چالیس سال پیشتر گذرا ہے، اسکا ہمعصر انٹیا کیس تھا (ص ۱۳۴ مذکور)

مسٹر سی ڈی اسٹیل پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹر مین تحریر کرتے ہین[۱] کہ الہ آباد کا موجودہ نام اکبر نے رکھا تھا، اسوقت تک اس کا نام پریاگ چلا آتا تھا، یہ نام افلب پور دسنے رکھا تھا جو بودھ کی نسل سے چھٹو ین پیڑھی مین تھا، مشہور ہو کہ اسی نے پرانے شہر کی بنیاد حضرت عیسی سے اکیس[۲۱] صدی پیشتر ڈالی تھی،

بااین ہمہ مسٹر ولسن کو اختلاف ہو، اپنی کتاب "ہندوستان" مین فرماتے ہین[۲] کہ "جب تک اکبر نے اسکو شہر نہین بنایا الہ آباد یا پریاگ کوئی شہر نہ تھا،" موصوف کا خیال شاید اکبرنامہ کی طرف نہین گیا، جس سے[۳] "قصبہ پیاگ" کی موجودگی ثابت ہوتی ہو،

کچھ دن ہوئے ایک ممتاز دانش آموز نے الہ آباد اور الہ باس کی بحث ایک کثیر الاشاعت مقامی اخبار[۴] مین چھیڑی تھی اور اپنی نازک خیالی اور بلند نظری کے ساتھ اس کو بڑھانا چاہا تھا، لیکن جہان تک مجھے علم ہے، اہل علم نے اعتنا نہین فرمایا اور ساکت رہے، مین بھی اس کو تردید بیجا سمجھتا ہون،

یہ قصہ آج کا نہین، بہت پرانا ہے، خلاصۃ[۵] التواریخ مین مرقوم ہے کہ اکبر نے قلعہ تعمیر کرایا، الہ باس نام رکھا، شاہجہان نے الہ آباد کر دیا، مسٹر بیل اکبرنامہ شیخ ابو الفضل کے حوالہ سے مفتاح التواریخ مین راوی ہین کہ یہ شہر الہ آباد آباد ہو گیا تو الہ باس[۶] نام رکھا گیا، دوسرے موقع پر نقل کرتے ہین[۷] کہ نام الہ باس رکھا گیا تھا، شاہجہان کے عہد مین الہ آباد مشہور ہوا، غالبًا ان کی سند خلاصۃ التواریخ کی تحریر ہے،

شمس العلماء آزاد دہلوی دربار اکبری مین فرماتے ہین کہ "خلاصۃ التواریخ کا لکھنے والا ہندو ہو، صفحہ ۷۱۹ پھر لکھتے ہین کہ بٹالوی صاحب خلاصۃ التواریخ نے ملک پنجاب مین بیٹھکر کتاب لکھی، اور شاہجہان اور عالمگیر کا زمانہ پایا، (صفحہ ۵۲۲) یہ اکبر کی جدت پرستی اور ہند وپسندی تھی کہ منشیان دفتر الہ آباد کو بھی الہ باس لکھتے تھے" (صفحہ[۸]) وہ اس سے پیشتر بھی لکھ چکے تھے کہ "گذشتہ جلوس مین عمارت کا کام ختم ہوا تھا، پھر وہ الہ آباد سے الہ باس ہو گیا"۔

۱؎ مطبوعہ ۱۹۱۱ء جلد ہشتم صفحہ ۱۹۰، ۲؎ قیصر اول صفحہ ۲۰۰، ۳؎ اخبار لیڈر مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء، ۴؎ قلمی موجودہ کتبخانہ مولوی حکیم سید ظفر احمد مرحوم، واقع قصبہ صمدن پور ضلع فرخ آباد صفحہ ۷۰، ۵؎ صفحات ۹۶ و ۱۹۰، ۶؎ صفحہ ۱۹۰، ۷؎ دربار اکبری صفحات ۱۲۲-۱۲۳،

آپ نے لالہ سجان رائے بھنڈاری، منشی المناشی سرکاری کے قول پر اعتماد کرین، نہ جناب آزاد کے کہنے پر، بلکہ خود اکبر اور اس کے ارکان حکومت اور مقربین عالی منزلت کے طریق عمل پر نظر ڈالین جب یہان قلعہ بنا اور شاہزادون اور امرائے دولت کے لئے محلات وقصور تعمیر ہوئے، تو ٹکسال بھی قائم ہوئی، اسی ٹکسال سے اکبر کے الہ آباد نام رکھنے کا ثبوت ملتا ہو جس کے سکون پر شریف سرمدی کا یہ شعر مقبول ہو کر منقوش ہوا تھا،[۱]

همیشه چون زر خورشید و ماه روشن باد بر شرق و غرب جهان سکهٔ الہ آباد

واضح رہے کہ آئین اکبری مین پرانا پرگنہ "الہ باس باحویلی" مندرج ہے، باوجودیکہ گڑھے کی اہمیت اس وقت تک باقی اور نمایان تھی، نہ حویلی کڑا و بلدۂ کڑا[۲] آئین اکبری مین موجود ہے،

قرینہ ہے کہ اس کے بعد الہ آباد سے الہ باس ہوا ہوگا، کیونکہ اقبال نامۂ جہانگیری مین بالعموم الہ باس ملتا ہے[۳] اور تزک جہانگیری مین الہ باس اور الہ آباد دونون[۴]، منشی سجان رائے نے باوجودیکہ شاہجہانی فرمان اور (باقرار خود) تبادلۂ نام سے آگاہ تھے، اپنی تاریخ مین بالالتزام ہر جگہ الہ باس لکھا، اور بدنصیب وبدنام اورنگزیب نے مواخذہ وتعرض بھی نہین فرمایا،

باوجود سعی مفرط وتوجہ بلیغ، پروفیسر کونسل کشور "الہ باس" کے صحیح اور واقعی معنی معلوم کرنے، اور اس (شاید سنسکرت نژاد) "الا" کے ماخذ واصل کی تحقیق سے قاصر رہے، وہ اس کو ایک چیستان مان کر اہل ذوق وتلاش کو صلائے کرم دیتے ہین، اس دعوت خاص مین مقبول بے نواہی ممدوح کا ہم آہنگ وہم نوا ہو، ان کے نزدیک یہ اس "الا" کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہو جس کا تذکرہ "پرانون" مین ہے، اور جو بنی آدم کا ابوالآبا ہو تھا، یا یون کہئے کہ حقیقۃً اس کی فطرت وجنیت مشتبہ ہے، کیونکہ بعض اس کو ام الامہات بھی کہتے اور بتاتے ہین، نیز گنگا کے ایک تیرتھ کا نام "ایل" ہے، قیاس پہنچا ہے کہ اسی "ایل" کے مشتقات

۱؎ دربار اکبری، صفحات ۱۲۲ و ۱۲۳، ۲؎ صفحات ۱۷۰ و ۱۷۱، ۲۳۵، ۳؎ الہ باس صفحات ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۰۱، الہ آباد صفحات ۲۶۳ و ۲۸۰،

سے "الاٰبہ"، نکتہ نواز و دقیقہ رس پارگیٹر صاحب اسی "ایل تے آریا" کو ماخوذ اور اس جہت سے اگر تمام نوع بشری کا نہیں، تو از کم کل اصناف و اقوام آریا" کا مہد و گہوارہ الہ آباد کو سمجھتے ہیں،

مجھے تسلیم ہے کہ آسان طلبی و سہل انگاری کے موجودہ دور میں الہ آباد کو الہ باس بنانے کی تحریک محض بے سود ثابت ہوگی، اس لئے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے چھیڑنے سے جو جماعتی اختلافات اور تفرقوں کو بڑھائیں، احتراز لازم ہے،

کہنا پڑا ایسے پے الزام پسند گو، وہ ماجرا جو قابلِ شرح و بیان نہیں

کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا ہو کہ باغ کب نصب ہوا تھا، کس نے نصب کیا تھا، ابتداءً نام کیا رکھا گیا تھا، البتہ یہ مشہور و زبان زد عام ہے کہ باغ بہت پرانا ہے، جسکی پیدائش (لغوی معنی میں) اکبر کے قلعہ کے ساتھ ہوئی تھی، اور اکثر مورخ اس بارہ میں متفق ہیں، کہ قلعہ کی بنیاد[1] اکبر کے اکیسوین سال جلوس (۹۸۳ھ) یا حسب روایت ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۵۸۳ء میں پڑی تھی، اور اوراقِ تاریخ اس باغ کو اہم بتاتے اور امتیاز خاص دیتے ہیں، کبھی یہ ایک سادی سی جگہ فرحت و سیر کی تھی، اس کی زمین، اس کے چمنوں اور روشوں نے اس وقت بھی اکبر کے قدم چومے تھے، اس کے پھولوں اور غنچوں نے اس عظیم الشان شہنشاہ کے دماغ کو معطر کیا تھا، شاہزادہ دانیال جب الہ آباد کا گورنر[2] تھا تو یہاں اکثر لطف اندوز ہوتا تھا، جہانگیر اس کے درختوں کے سایہ میں تکان دور کرتا تھا، تب سیر و شکار کے بعد آرام و راحت پاتا تھا، وہ مدت تک[3] یہاں رہا تھا، سلطنت کی ضرورتوں یا اپنی ہنگامی شوریدہ سری کے تقاضے سے کبھی باہر بھی جاتا، جاتا تو یہاں کی دلچسپیاں عنان گیر ہوتیں، جلد کھینچ کر واپس لے آتیں، جہانگیر کو منانے اور سمجھانے

[1] منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۲۰۳ و ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۰، و دربار اکبری صفحہ ۱۲۲، و مفتاح التواریخ صفحہ ۱۹۷، [2] منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۲۲۲ و دمیاق مغل صفحہ ۱۱۴، و گزیٹر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۹،
[3] گزیٹر مذکور صفحہ ۱۶۹،

کے لئے جب اس کی والدہ یعنی مہد مقدس سلیمہ[1] سلطان بیگم الہ آباد آئی تھی تو جہانگیر نے دو منزل[2] بڑھکر استقبال کیا، اور ملکۂ عالم و عالمیان کو یہاں اتارا تھا، تاریخ کا ایک اندوہگین واقعہ بھی اسی مقام سے وابستہ ہے، اکبر کے دانشمند اور بہرہ فن کامل و ماہر مشیر شیخ ابو الفضل علامی کا سر کاٹ کر راجہ نرسنگ دیو (یا انگریزوں کی متفقہ تحقیق سے برسنگھ دیو) بوندیلہ نے جہانگیر کے حضور میں الہ آباد[3] بھیجا تھا، تو اسی جگہ پیش کیا گیا تھا،

زمانہ حال کا ایک ممتاز انگریز مولف (جس کا نام میں ادباً و احتراماً لینا نہیں چاہتا) خسرو باغ کو ایک اور شرف دینا چاہتا اور لکھتا ہے، کہ جب جہانگیر ۱۵۹۲ء کے قریب الہ آباد کا گورنر تھا، تو اس کا بیٹا جو تخت نشین ہوکر شاہجہان ہوا نیز اس کا بڑا بھائی "خوش رو" نام دین پیدا ہوئے تھے، اسی دوسرے نام یعنی "خوش رو" سے "خسرو باغ منسوب ہے" یہ صاحب اپنے ماخذ اور ذریعہ معلومات کا حوالہ نہیں دیتے، خسرو کو خوش رو قرار دینا اور اپنے اہل زبان کو اس کے معنی "فیر فیس" (اچھے چہرے والے) بتانا ذہانت و نکتہ آفرینی کی ایک عجیب و نازک اختراع ہے، بہت ممکن ہے کہ ان کو ملا غیاث الدین رام پوری کی تحقیقات و موشگافی سے یہ خیال پیدا ہوا ہو، جنھون نے اس لفظ کے متعلق غیاث اللغات[4] میں اچھی خاصی بحث کی ہے، اور مولف بہار عجم اور ان کے استاد کے حوالہ سے یہ خوشگوار فیصلہ کیا ہے کہ صحیح لفظ خسرو ہے، زیر کے ساتھ نہ کہ پیش سے، اور یہ خُسرو کا معرب ہے

[1] سلیمہ سلطان بیگم، مرزا نور الدین محمد سے گلرخ بیگم کی بیٹی، بابر کی نواسی تھی، یعنی ہمایون کی بھانجی اور اکبر کی پھوپھی زاد بہن، ہمایون نے اس کی نسبت بیرم خان خانخانان سے ٹھہرا دی تھی، شادی کی تقریب ۹۶۴ھ (۱۵۵۷ء) میں اکبر کے ہاتھوں انجام پائی، بیرم خان کے مرنے پر ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ء) میں خود اکبر نے اس سے نکاح کر لیا، شاہزادہ خانم ایک بیٹی اور سلطان مراد ایک بیٹا اس کے بطن سے تھے، بڑی خوش سلیقہ، خوش بیان، شیرین کلام، حاضر جواب، اہل علم و ہنر کی قدر نواز تھی، شعر و سخن سے بھی بہرہ کامل رکھتی تھی، عہد جہانگیر میں ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں اس دار فانی سے رخصت ہوئی، باپ خواجگان کا شہرہ ایک خاندانی شخص تھا، نیز مآثر الامراء صفحہ ۱۳۰ ملاحظہ ہو، [2] منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۲۳ [3] سیر المتاخرین ج ۱، ص ۲۰۰ و امرائے ہنود ص ۹۴، و دیباچہ تزک جہانگیری صفحہ ۱۰، [4] فصل خاے معجمہ مع سین مہملہ،

جس کے معنی خوبرو ہین، بہرحال مین موصوف کو یاد دلانا چاہتا ہون کہ خسرو کوئی بناوضع کیا ہوا لفظ نہین

ہے، اس کی نسبت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے سرولیم سلی مین کے سیاحت نامہ مین لکھا اور اس کا یونانی املا یا گریک

فارم (CHOSROES) بتایا ہے[1]،

(۵) خسرو باغ اور شاہجہان کی ولادت، اس بارہ مین اسی قدر لکھ دینا کافی ہو کہ شاہجہان کے معرب

اور درباری مورخ عبدالحمید لاہوری نے اس کے زائچہ کی نقل وصراحت کے ساتھ یہ اضافہ کیا ہے کہ شاہجہان

دارالسلطنت لاہور مین پیدا ہوا تھا[2]، مسٹر بیل بھی اس کی تائید کرتے ہین[3]، شاہزادہ خسرو کے مفصل تذکرہ مین

گذارش کر چکا ہون کہ خسرو کے مولد ہونے کا فخر بھی لاہور[4] کو حاصل ہے، الہ آباد اس شرف سے محروم ہی،

ڈسٹرکٹ گزیٹر کی بروایت[5] کہ "زمانہ قیام وسکونت الہ آباد مین یہ باغ جہانگیر کا نزہت گاہ تھا" واقعات

وتحریرات سے صحیح معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا دوسرا جزو کہ "جہانگیر کے بعد اس کے باغی بیٹے خسرو کو دیدیا

گیا تھا" ماننے کے قابل نہین، اس داد ودہش کی تائید نہ تاریخ کے صفحات سے ہوتی ہے، نہ قرائن وقیاسات

سے، اکبر کے جیتے جی خسرو اس کے پاس آگرہ مین رہتا تھا، اس کے تمام معاون اور حامی امرا موقع مناسب

کے انتظار مین تھے، وہان گھیرے رہتے تھے، جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی خسرو نظربند کر لیا گیا، شاہ

برج مین مقید تھا، کچھ مہینہ بعد بھاگا، لڑا، پکڑا گیا، اور پھر زندگی بھر اس کو رستگاری وخلاصی نصیب نہین ہوئی،

یہ مختصر سی ہے میری سوانح عمری　　ہمیشہ وقفِ ستم ہاے روزگار رہا

مسٹر فریزر اپنی دلچسپ وعالمانہ کتاب "گلیمپسز آف انڈیا" مین لکھتے ہین[6] کہ "شاہزادہ سلیم جو اکبر کا

بیٹا تھا، اور بعد کو مشہور شہنشاہ جہانگیر ہو گیا تھا، وہ بھی اپنا وقت یہان (خسرو باغ مین) صرف کرنے

[1] ریمبلس اینڈ ریکلکشنس، جلد اول صفحہ ۶۶، تعلیق تحتی، [2] بادشاہ نامہ، جلد اول، حصہ اول صفحہ ۴۱، نیز ابوالفضل، [3] اورینٹل بیاگرافیکل ڈکشنری صفحات ۳۵۵، ۴۰۵، [4] نیز منتخب التواریخ صفحہ ۴۴، [5] ش سلسلہ قدیم ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۸۵، سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء جلد ہفتم، صفحہ ۲۰۳، و ڈاکٹر

نوہرکی تاریخ یادگار ہاے قدیمہ جلد دوم ص ۱۳۰، [6] مطبوعہ فلیڈلفیا (امریکا) ۱۹۰۴ء ص ۳۲۸،

کا شوقین تھا"

شاہ عالم کا قیام[7] بلکہ سکونت الہ آباد مین ۱۷۷۱ء تک رہی تو وہ بھی خسرو باغ کا دلدادہ اور حاضرباش تھا،

مرزا جہانگیر جو اکبر شاہ ثانی، بادشاہ دہلی کا بڑا بیٹا، اور ولی عہدِ سلطنت تھا جس نے ۱۸۰۹ء مین مسٹر سیٹن ریزیڈنٹ[8]

متعین دہلی پر تپانچہ (پستول) کا فائر کیا تھا، اور اسیر سلطانی کی حیثیت سے الہ آباد بھیج دیا گیا تھا، یہان خسرو

باغ مین کئی سال رہا تھا، اس نے اکتیس سال کی عمر مین ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) مین وفات پائی، شاہزادہ کے

سالہاے عمر کے شمار سے، دفن کے وقت، قلعہ الہ آباد کی فصیل سے اکتیس ضرب توپ کی ماتمی شلک سر

کی گئی، وہ اسی باغ مین سپرد خاک کیا گیا، مگر بعد کو معمر بادشاہ کی خواہش اور اصرار پر ۱۸۳۲ء مین لاش نکال کر

دہلی منتقل کر دی گئی، اور حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے صحن مین دفن ہوئی[9]

نکالی جا رہی ہین ہڈیان کچھ قید خانے سے　　ہوئی ہی ختم میعاد آج پابندِ سلاسل کی

سرولیم سلی مین نے ۱۸۱۶ء مین شاہزادہ کو یہان دیکھا تھا، وہ مسٹر بیل کی طرح اس کو ولی عہد

اور اکبر دوم کا فرزند اکبر (اول) نہین بتاتے، لیکن اپنے سیاحت نامہ و تذکرہ مین لکھتے ہین[10]، کہ "یہ شاہزادہ

الہ آباد مین اسر وحبس کی حالت مین نہ تھا، صرف دہلی واپس جانے کی ممانعت تھی، اس کا مکان شاندار

تھا، آمدنی معقول تھی اور اس کے مرتبہ وشان کے حسب حال تمام اعزاز برقرار تھے"

(باقی باقی)

[7] گزیٹر سابق، صفحہ ۱۴۶، و حال صفحہ ۱۰۲، [8] اورینٹل بیاگرافیکل ڈکشنری، صفحہ ۱۲۸، [9] جلد دوم، صفحہ ۱۶۷،

بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکھنی شاعر

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مولف "یورپ مین دکھنی مخطوطات"

اب یہ امر پایہٴ ثبوت کو پہنچ چکا ہے، کہ بہمنی دور (۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ) مین دکن مین اردو دکھنی کا رواج تھا، اور نصرف عام طور سے بول چال اور کام کاج مین اس کا استعمال تھا، بلکہ اوس نے تحریری مدارج بھی طے کرلئے تھے، چنانچہ اوسکی نثر کے کئی نمونے دستیاب ہوے ہین جنمین سے خواجہ بندہ نواز متوفی ۸۲۵ھ کے تصانیف اور ان کے شاگرد سید محمد عبد اللہ حسینی کا رسالہ نشاط العشق کا ترجمہ مشہور ہی،

لیکن اس عہد کی نظم کے صحیح نمونے ہنوز دستیاب نہین ہوے تھے، نظم کا جو صحیح نمونہ ملتا ہے، وہ ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) کے دور کے شاعر وجہی کا کلام ہے، جس نے سلطان عبد اللہ قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ھ کے دور مین انتقال کیا تھا،

آج ہم ایک ایسے شاعر کا تعارف کراتے ہین، اور اوس کے کلام سے ناظرین کو روشناس کراتے ہین، جو عہد بہمنی سے تعلق رکھتا ہے، اوس کا تخلص نظامی ہی، اوسکی ایک نامکمل مثنوی ہمارے دوست مولوی لطیف الدین[1] ادریسی صاحب کے پاس ہے جنھون نے ہم کو مطالعہ کیلئے مستعار دی ہے، اوران کی اجازت سے اوس کا تعارف کرایا جارہا ہے،

[1] موصوف مدرسہ دار العلوم مین ہمارے ہم جماعت تھے، کتاب شناسی مین خوب مہارت رکھتے ہین، قدیم اور نایاب قلمی ذخیرہ فراہم کرکے فروخت کرتے ہین، حیدرآباد ہی مین سکونت ہے،

مثنوی ناقص ہے، درمیانی اور آخری حصہ نہین ہے، جو اشعار موجود ہین، ان کی تعداد تقریباً (۸۷۵) ہے، اس مثنوی کو کدم راؤ و پدم راؤ سے موسوم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان ہی دو شخصون کا قصہ منظوم ہوا ہے، شاعر کے تخلص کی تصدیق حسب ذیل اشعار سے ہو سکتی ہے،

نظامی کدھین سن برس نہ ہوئی — جوادا تھین نہ چلی یون کوئی

کہ پت ورت گن پات دھن سو دھے — نظامی سے دہرو کہ کیون رادھے

پدم سب سجنے بات بانجی کدم — کہون سد ساجی نظامی دھرم

سہنار سن فکر گفتار ہوئے — نظامی کہنہار جس بار ہوئے

اس مثنوی کو دور بہمنی کی مثنوی قرار دینے کے وجوہات حسب ذیل ہین:-

(الف) اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بہمنی دور کی پیداوار ہے،

پرتبال سینسا کرتار ادھار — شہنشہ بڑا شاہ احمد کنوار

کنور شاہ کا شاہ احمد بھجنگ — دھنین تاج کا کون راجا ابھنگ

ولی تھین بہت بدو بدا کلی کو — لقب شہ علی آل بہمن ولی

(ب) مثنوی مین مختلف عنوانات ہین جن مین سے ایک عنوان حسب ذیل ہے،

"مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہٗ"

(ج) زبان کے لحاظ سے نہایت قدیم اور ابتدائی دکھنی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ اب تک قدیم سے قدیم جو کلام دستیاب ہوا ہے، اس سے بھی اس کی زبان زیادہ مشکل ہے،

(د) رسم الخط کے لحاظ سے بھی یہ نہایت قدیم مثنوی قرار دیجا سکتی ہے،

اس کے بعد اب یہ امر تحقیق طلب ہی، کہ یہ مثنوی کس سنہ مین تصنیف ہوئی ہے، اس کے متعلق جو کچھ ہمارے معلومات ہین، وہ صرف یہ ہین کہ یہ مثنوی علاء الدین بہمنی کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے، اوراس کے شہزادہ کا نام

احمد شاہ تھا، لہذا اب اس امر کی تحقیق ہونی چاہیے، کہ بہمنی خاندان مین سے کن کن بادشاہون کا نام علاءُ الدین تھا،

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خاندانِ بہمنی مین پانچ بادشاہ علاء الدین کے نام سے گذرے ہین یعنی :-

(۱) علاءُ الدین بہمن شاہ	بانی خاندان	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
(۲) علاءُ الدین مجاہد شاہ	تیسرا حکمران	[illegible]
(۳) علاءُ الدین احمد شاہ ثانی	دسوان حکمران جو احمد شاہ کا لڑکا تھا،	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ
(۴) علاءُ الدین ہمایون شاہ	گیارہوان حکمران	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
(۵) علاءُ الدین	سولہوان حکمران	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ

ان مین سوا نمبر ۴ کے کوئی ایسا نہین ہے جسکا شہزادہ احمد ہو صرف وہی ایسا حکمران ہے جس کا لڑکا احمد شاہ ثالث تھا، اور وہ ۸۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، اور ۸۶۷ھ مین فوت ہوا، اوسکو اگرچہ مصنف تاریخ فرشتہ نے نظام شاہ سے موسوم کیا ہے، مگر جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہین ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ لکھا ہے[1]

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اسی عہد میں تصنیف ہوئی ہے، اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ شاعر بادشاہ کا مصاحب تھا، اور شاہی دربار سے اسکو تعلق تھا، چونکہ بادشاہ کا لقب عام طور سے نظام شاہ تھا اس مناسبت ممکن ہے، کہ شاعر نے اپنا تخلص بادشاہ کے نام پر نظامی قرار دیا ہو،

احمد شاہ ثالث علاء الدین ہمایون شاہ کا لڑکا تھا صرف آٹھ سال کی عمر مین سریر آرا ہوا، اوس کی والدہ نرگس خانم تھی، جو مخدومہ جہان کے لقب سے تاریخ مین مشہور ہے اوسکی عقلمندی اور فراست سے بادشاہ کے صغیر سن ہونیکے باوجود نظم و نسق سلطنت مین کوئی خرابی آئی اور نہ دشمنون نے قلمرو بہمنیہ سے فائدہ اوٹھایا، اگرچہ محمود شاہ گجراتی نے

[1] اردوئے قدیم طبع ثانی صفحہ ۳۴ حاشیہ

سلطنت بہمنیہ پر حملہ کیا تھا، مگر ناکام رہا، مخدومہ جہان نے محمود گاوان اور خواجہ جہان ترک کو مختار کل بنا رکھا تھا اور ان دونون کے حسن انتظام سے سلطنت کا کاروبار چلتا رہا،

احمد شاہ کے انتقال کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے، یعنی بادشاہ کی شادی ہوئی اور شب زفاف کو آدھی رات کے وقت کمرہ سے شور ہوا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا، ممکن ہے قلب کی حرکت موقوف ہونے سے یہ موت واقع ہوئی ہو،

مصنف مثنوی نظامی کے متعلق ہمارے معلومات کچھ نہین ہین، اس مثنوی سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے، کہ یہ بادشاہ کے دربار کا شاعر تھا اور کسی فخر الدین سے اوسکو بڑا اتحاد تھا،

مثنوی مین پہلے حمد ہے، اس کے بعد نعت، اسی مین منقبت صحابہ بھی ہے، پھر علاء الدین بہمنی کی تعریف اسکے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے، ہر نیا مضمون نئے عنوان سے شروع ہوتا ہے، عنوان سرخی سے لکھا گیا ہے،

اس امر کا ذکر ہو چکا ہے، کہ مثنوی کی زبان نہایت مشکل ہے، اس مین عربی اور فارسی کے بجائے ہندی الفاظ زیادہ ہین، جیسا کہ عام طور سے اس زمانہ مین دستور تھا، ذیل مین مثنوی سے نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے،

ابتدا بسم اللہ کے ساتھ، :-

گسائین تہین ایک و نہ جگ ادار	برو برو نہ جگ تہین دنہار
اکاس انچر پاتال دھرتی تہین	جہان کچھ نہ کوئی تھا ہے تہین

نعت :-

تہین ایک ساجا گسائین امر،	سری دوی تین جگ نوراد گر
بھٹایا امولک رتن نور دھر،	کرتی ویکی بلکت کرن راج گر
امولک نکت سیس سنسار کا	کرے کام ز دھار کرنار کا،

محمد جرم ادم بنیاد نور — دو دسی جگ سری دے پوسا دنور

مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہٗ،

بڑا شاہ وہ شاہ جس شاجگ — دہین سیوتی جرم تسے پاے لگ

انھین شہ کیا شادرکھن دہرن — گگن دل دھرت دل مسخر کرن

عطارد مسخر ھوا اے قلم ٭٭ — مسخر کیا سور دے ہت علم ٭

علم گارہ کہن سورچل سراچاؤ — طبل دھول برغون بدل تون بجاؤ

چمکنے لگے جب کتک بستیر — چڑھا واکیا دھرت اکاس پر

چمک بجلی تون علم مجہ جیون — علم سنگ تون گرج کہن جیوتون

. . . .

شہنشہ بڑا ... الخ

بعض دیگر مقامات سے نمونہ ملاحظہ ہو،

کدم راؤ تھیی رن ونہ آدھر ٭ — کہ رہن بات سن بات بک بت دھر

سنیا تھا کی ناری دھری بہت جہند — سوین آج دتیا تری جہند بند

دھنی چند جب مین دھتیا جگ مین — نتی دبل تجے تہین ہون پربارک مین

سجات ایک ناگن کجات ایک سانپ — اسنکت دھنی کھلین لاتب جہانپ

جو کرتار مجکون کیا ہوے راؤ ٭ — اسنکت کہ کیون دیکہ سکون انیاؤ

پدم راؤ ہتیا مہا کردین — کندل پیراؤ بہا ہوا سروین ٭

کپیرا تیر ھو جیون رھیا تھا ادھل — کمان ھو پربانیکہ کی پائے تل ٭

اجاسیس باہر کیے یکہ نبات، — نیون کوئی بنوی نہ ناکہ جات

کرتون ساج میرا گسائین کدم — پدم راؤ تجہ پاؤ کیرا پدم ٭

جہان تو دھر پاؤ ھو رسرو ہرن — اپس سار کی کت ترای کرون

کہرا ھوی جو بات مین را نکہہ ٭ — کہی کو توالیون کہ منجھکون بچہ ٭

اگر چور دہ جری با ہوے سپاہ — پکڑ کون تس بہتر کہوری باہ

نکربان جی لوہے کراکا نتہ سنگ — نہ ہوتا کدھن کانتہ کو نہ بہنگ

اس مثنوی کا خط نسخ ہے، اعراب بھی دے گئے ہین، گ ج اور ٹ کیلئے کوئی علامت نہین ہے، اور یائے معروف او مجہول مین کوئی فرق نہین ہے،

چونکہ مثنوی نامکمل ہے اس لئے سنہ کتابت اور نام کاتب وغیرہ کا پتہ نہین ملتا، قصہ کی تفصیل بھی دشوار ہے، کیونکہ اول تو ناقص ہے، آخری اور درمیانی اوراق نہین ہین اور پھر زبان اس قدر مشکل اور دشوار ہے کہ اوس کا سمجھنا ضرور کسی قدر دقت طلب ہے، بریں ہم اس مثنوی کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے، کہ نظامی اپنے عہد کا باکمال شاعر تھا اور اپنے فن مین استادانہ مہارت رکھتا تھا،

تلخیص و تبصرہ

انجمن ادبی افغانستان

افغانستان دنیائے اسلام کے اون آتش فشان پہاڑون کا نام ہے جن کے شعلے طوفان حوادث سے کبھی سرد نہین ہوے، اوس کا عہد تنزل عبارت اس سے ہی کہ وہ شعلے خود باشندگان ملک کے دامن کو جلانے لگے اور اوس کا زمانہ ترقی وہ ہے جب وہ ملک سے باہر ادھر اودھر پھیل گئے تو پھر نہ تو اون کو دریائے آمون کی روانی سرد کر سکی اور نہ ہمالیہ کی چہار دیواری اون کی تیزی کو سست کر سکی،

احمد شاہ سے لیکر امیر عبدالرحمٰن خان اعظم تک اوسکی پراگندگی کا جو عالم رہا وہ تاریخ کی آنکھون کے سامنے ہے، عبدالرحمٰن خان نے جس شجاعت و تدبیر سے اس دیو کو اپنے قابو مین کیا، وہ دوست دشمن ہر ایک کی تحسین و آفرین کا مستحق ہے، امیر حبیب اللہ خان اور شاہ امان اللہ خان نے اپنے دور سیاست کو جس طرح تمام کیا، اوسکی نسبت دو رائین ہو سکتی مین، مگر اس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ ان مین سے ہر ایک نے ملک کی علمی و تعلیمی ترقی کی سمت راستہ کھولا، اور نئی تعلیم نے وہان فروغ پایا،

مگر اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ سرتاپا حکومت کی کوششون کا نتیجہ تھا، مگر اب غازی نادر شاہ کے عہد میمون کے برکات کے سلسلہ مین جو چیز نادر تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حکومت کے علاوہ خود اہل ملک کے اندر ترقی کے احساسات و اقدامات کار فرما نظر آتے ہین، ان مجاہدات مین سب سے اہم کارنامہ افغانستان مین **انجمن ادبی کابل** کا قیام ہے،

یہ انجمن افغانستان مین ایک سال سے قائم ہے اس کا مرکز پایہ تخت کابل ہے اوس کا مقصد افغانستان مین جدید علمی و ادبی روح پھونکنا ہے، افغانستان مین ایک کتبخانہ قائم کرنا افغانستان کی نئی تاریخ کو ترتیب دینا، وہان کے شعر و ادب کو دنیا مین روشناس کرنا، نئے موضوعات پر نئی کتابین تالیف و ترجمہ کرنا اور چھپوانا، اور نوجوانون مین علم و ادب کی نئی سرگرمی پیدا کرنا ہے،

یہ انجمن ایک صدر، ایک ناظم ایک مددگار اور گیارہ ممبرون سے مرکب ہے جن کے نام یہ ہین.

۱- عالی جناب آقای محمد نوروز خان میر منشی حضور ہمایونی رئیس انجمن ادبی،

۲- شہزادہ احمد علی خان درانی، مدیر انجمن ادبی،

۳- آقائی غلام جیلانی خان اعظمی، مددگار

۴- آقای میر غلام محمد خان غبار :- رکن

۵- شاعر مشہور جناب عبدالعلی خان مستغنی رکن

۶- آقای سرور خان گویا، رکن

۷- آقای عبدالغفور خان، رکن

۸- آقای عبدالباقی خان لطیفی رکن

۹- محمد سرور خان پویا۔ رکن

۱۰- غلام جان خان۔ رکن

۱۱- محمد اکبر خان فارغ۔ "

۱۲- آقای امین اللہ خان، "

۱۳- آقائی محمد یعقوب خان، "

۱۴- آقای سرور خان جویا، "

انجمن کے ان کارپردازون مین جناب عبدالعلی خان مستغنی کے علاوہ سب نوجوان افغان اہل قلم ہین

جنھون نے یہ تہیہ کیا ہے کہ اپنے ملک کی علمی و ادبی سطح کو ہر ممکن طریق سے بلند کرین،

اس کے لئے اونھون نے حسب ذیل طریقے اختیار کئے ہین، ایک کتبخانہ کی تاسیس تالیفات و تراجم کے سلسلہ کا قیام، ایک ماہوار علمی رسالہ کی اشاعت انعامی مضامین کا اجرا،

کتبخانہ اس سلسلہ مین کسی یکسالہ انجمن سے کوئی بڑی توقع نہین کی جاسکتی، تاہم معلوم ہوا ہے کہ علمی، تاریخی اور ادبی کتابین اوس نے تھوڑی بہت فراہم کی ہین، اور فارسی، عربی، ترکی، انگریزی اور فرانسیسی زبانون کی کتابون کی فراہمی کی کوششین کی ہین، اور ہندوستان، ایران، مصر، لندن، پیرس، اور برلن کے کتب فروشون سے کتابین منگوانے کا انتظام کیا ہے،

اس سلسلہ مین انجمن کے ارباب بست و کشاد سے یہ عرض بیجانہ ہوگی کہ اگر وہ اپنے ملک کے بچ کے کتبخانون اور پرانے خاندانون سے قلمی کتابین جو غالباً تلف ہورہی ہون گی، اون کو حکومت کی امداد سے دیکھنے کی کوشش کرین تو وہ علم کی بہت بڑی خدمت انجام دین گے، اور عجب نہین کہ چند سال کی محنت مین انجمن کا کتبخانہ دنیا کے مشہور کتبخانون مین شمار کیا جائے، اگر اب بھی افغانستان نے ادھر توجہ نہ کی، تو روسی ترکستان کی طرح یہان کی قلمی نادر کتابین بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہوجائین گی،

تالیفات و تراجم اس راہ مین بھی انجمن نے چند قدم اوٹھائے ہین، چنانچہ **اخلاقِ عسکری** کے نام سے ایک کتاب آقا غلام جیلانی مددگار ناظم انجمن نے دو جلدون مین لکھی ہے، اس کی ایک جلد اس عرصہ مین چھپ چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے، **قرأتِ فارسی** کے نام سے دو ابتدائی رسالے ابتدائی مدارس کے چوتھے اور پانچوین درجون کے لئے لکھے گئے ہین، چھپے ہین، ان کی تالیف کا کام آقای محمد انور خان بسمل سابق ناظم انجمن اور آقای سرور خان گویا رکن انجمن نے انجام دیا ہے،

باقی حسب ذیل کتابین زیر تالیف ہین،

۱۔ تاریخ افغانستان، بتالیف آقای میر غلام محمد خان غبار.

۲۔ تاریخ ادبیات افغانستان، بتالیف آقائی غلام جیلانی خان،

۳۔ تذکرۂ مشاہیرِ افغانستان، ایضاً

دوسری زبانون سے حسب ذیل کتابین ترجمہ کی گئی ہین،

۱۔ آثار عتیقۂ بامیان موسیو گودار و موسیو ہاکن، فرانسیسی یک جلد ۱۱۶ صفحے، ترجمۂ آقائی احمد علی خان مترجم فرانسیسی،

۲۔ نگارش و نگارندگانِ شامی اہلِ قلم کرد علی کی عربی کتاب (الانشاء والمنشؤن) کا فارسی ترجمہ از آقائی سردار خان گویا،

۳۔ جلال الدین خوارزم شاہ، نامق کمال بے ترک ادیب کے افسانہ کے (سید سجاد حیدر صاحب کے) اردو ترجمہ سے فارسی ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی ناظم انجمن،

۴۔ خرمہرۂ طلائی، تالیف ویدگرایمن پو (امریکن) ترجمہ شہزادہ احمد علی خان درانی، انگریزی سے،

۵۔ شرح حال سید جمال الدین افغانی، تالیف ابراہیم علاء الدین (ترکی) ترجمہ آقائی میر غلام احمد لطیفی،

۶۔ امان اللہ خان کے افغانستان کی راہ سے تالیف سہراب، ک، ایچ کاتراک پارسی ترجمہ آقائی عبد الباقی خان لطیفی (انگریزی سے)

۷۔ دنیا مین اسلامی سلطنتون کی مختصر تاریخ، ہندی سے اضافون کے ساتھ ترجمہ بقلم آقائی غبار،

۸۔ مولانا شبلی نعمانی کی شعر العجم جلد دوم کا اردو سے ترجمہ از آقائی سردار خان گویا،

۹۔ گیتان جلی، ٹیگور کا اردو سے ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی،

۱۰۔ تاریخ افغانستان مصنفہ ملسن (انگریز) کا انگریزی سے ترجمہ، بقلم آقائی محمد حسن خان مترجم انگریزی،

۱۱۔ اصول نامہائے اساسی افغانستان، افغانستان کی مجلس شوری و دستور کا فارسی سے پشتو مین ترجمہ

بقلم آقای امین اللہ خان،

ان کے علاوہ انجمن نے تین رسالے، اور ایک جلد اخلاق عسکری کی اور منتخبات بوستان چھاپ کر شائع کی، علاوہ ازین حسب ذیل کتابین جو انجمن سے باہر ترجمہ کی گئی، یا لکھی گئی تھین، انجمن نے اپنی اصلاح و تنقید و تبصرے سے مزین کیا،

۱۔ الفاروق مولفہ مولانا شبلی نعمانی، مترجمہ مرحومہ علیا جناب حرم اعلیٰ حضرت رحبیب اللہ خان شہید رد سے آقای محمد بشیر خان منشی زادہ اور آقای امین اللہ خان نے فارسی زبان کی لفظی اصلاح کی،

۲۔ تاریخچہ مختصر ادبی، تالیف استاد قاری عبداللہ خان تصحیح آقای غبار،

۳۔ راہ نمای فراہ و چخانسور تالیف محمد یعقوب خان فراہی (جغرافیہ و تاریخ)،

۴۔ جغرافیہ افغانستان تالیف آقای محمد علی خان،

۵۔ تاریخ مسلمانان یورپ و رامین ترجمہ آقای حبیب اللہ خان طرزی، (انگریزی سے) زیر تصحیح آقای گویا،

اس سلسلہ مین ہمکو اپنے افغان رفقاء سے یہ گذارش کرنی ہے کہ وہ ایک حاکم نجیب و ترقی خواہ ملت کے افراد ہین، اون کو کتابون کے انتخاب مین اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اون کو اپنی قوم کی دماغی و ذہنی تربیت نے کس قسم کی کتابون کی ضرورت ہے، ابھی متین و سنجیدہ علوم و فنون سے اونکو کہان فرصت کہ تفریح و تماشائی کتابون کی طرف توجہ فرمائین، ابھی افغانستان کی "جدیت" کا عہد ہے، بہتر ہے کہ منزل رسیدہ اقوام کی تہذیب کی خوشنمائی کی طرف اون کو متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا جائے،

رسالہ کابل انجمن کی طرف سے کابل نام ایک علمی، ادبی، اجتماعی، تاریخی ماہوار رسالہ ایک سال سے نکل رہا ہے، اس وقت اس کے سال دوم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے، خوبصورت ٹائپ مین، نہایت خوشنما لوح و تصاویر، و نقاشی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر بہترین علمی و ادبی مضامین پر یہ مشتمل ہے، ۱۲۰ صفحون کی ضخامت ہے،

اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان ظاہری و باطنی خوبیون کا رسالہ جس ملک کے نوجوان بھی نکال سکتے ہین اوس کے علمی مستقبل کی درخشانی مین شک و شبہہ کی گنجایش نہین، اس سال کے شروع مین ایک افغانی نقاش و مصور آقای عبدالغفور خان نے حافظ کے اس شعر،

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو ... یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو

کو جس طرح مصور و مجسم کیا ہے، وہ اردو کے اون رسالون کے لئے قابل رشک ہے، جو بازاری تصاویر کو چھاپ چھاپ کر نوجوانون کے شریف اخلاق کا خون کیا کرتے ہین،

ہمکو پوری امید ہے کہ اگر انجمن ادبی یون ہی اپنے کامون مین مصروف رہی، تو عنقریب اوسکی حیثیت وہ ہوجائے گی، جو ترقی یافتہ ملکون کی شاہی علمی سوسائٹیون اور کتبخانون کی ہی،

"س"

اسلامی عمارتین عہد بنو امیہ مین،

کپتان کرسویل یورپ کی جنگ عظیم کے زمانے مین شام مین محکمۂ پرواز کے ایک عہدہ دار تھے، اور اوس زمانے مین اون کو اسلامی عمارتون کے جو حیرت انگیز مناظر آئے، اوس نے اون کے دل مین یہ خیال پیدا کیا کہ تاریخ اور فن تعمیر کی خدمت کے لئے ان آثار کے متعلق علمی حیثیت سے تحقیقات کیجائے، چنانچہ اوسی وقت سے وہ ایک کتاب کی تدوین و ترتیب مین مصروف ہوے، اور اب یہ کتاب مطبع آکسفورڈ کی جانب سے شائع ہو کر پبلک کے سامنے آگئی، کتاب انگریزی زبان مین ہے، جو ۴۲۰ صفحات کی ضخامت مین شایع ہوئی ہی، کتاب مین ۱۴۰ آثار و عمارات کے عکسی فوٹو دئے گئے ہین، کپتان کرسویل نے یہ کتاب شاہ فواد کی خدمت مین بھی پیش کی ہی، اور وہان سے اوسکو حسن قبول حاصل ہوا ہے،

اس کتاب مین ابتدائے اسلام سے تیسری صدی تک کی عمارات اسلامیہ پر بحث کی گئی ہے، اور اس زمانے مین اہل عرب کے فن تعمیر پر ایران و روم کا جو اثر پڑا اسکو نمایان کیا گیا ہے، اس کے بعد اہل عرب کے

اوس مستقل طرز تعمیر کو دکھایا گیا ہے جب اہل عرب نے تمام ممالک کو فتح کر لیا اور اون کی سلطنت کو استقلال حاصل ہوا اور اوس طرز تعمیر کے بعد اسلامی عمارات کو جو امتیازی خصوصیات حاصل ہوئین اونکو نہایت خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے،

کپتان موصوف نے تاریخی حیثیت سے حسب ذیل امور پر نہایت دقت نظری کے ساتھ بحث کی ہے،

(۱) جو تعمیری یادگار باقی رہ گئی ہے اوسکی تفصیلی تاریخ،

(۲) ہر عمارت کے انجینیری اصول پر بحث،

(۳) ان کے ماخذون پر بحث اور ہر عمارت کی الگ الگ تصویر،

لیڈی مارگریٹ نے جو عربی فن آثار کی بڑی ماہر ہین، بیت المقدس کے قبہ صخرہ اور دمشق کی جامع مسجد کی پچہ کاری پر ایک طویل مضمون لکھا ہے، اور یہ بھی اس کتاب مین شامل ہے، اس بحث کے لئے نوے تصویرین خاص کر لی گئی ہین جو ۳۰ صفحے مین آئی ہین، جن مین ۸۰ تصویرین پچہ کاریون کی ہین، اور اس بحث سے یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے،

کتاب جس تحقیق سے لکھی گئی ہے اوس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام مباحث مین نہایت کثرت سے تاریخی ماخذون سے استفادہ کیا گیا ہے، مثلاً قبۂ صخرہ کی بحث کے ماخذ ۳۰، الجامع اموی کے ۴۰، جامع قرطبہ کے ۱۳، جامع عمرو کے ۱۱، مقیاس النیل کے ۲، جامع ابن طولون کے ۱۰، ہین، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف مین مصنف نے بڑا وقت صرف کیا ہے، اور کافی دقت نظر سے کام لیا ہے،

"ع"

سیرت عمر بن عبد العزیز،

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اموی کے سوانح حیات اور اون کے مجددانہ کارنامے طبع دوم قیمت عہ

ضخامت :- ۱۹۰ صفحے،

"منیجر"

اخبار علمیہ

نخلستان خارغا کے آثار قدیمہ

مصر کے شمالی حصہ مین مس کیٹن ٹامسن (CATON THOMPSON) نے بعض آثار دریافت کئے ہین جو تین ہزار سال قدیم خیال کئے جاتے ہین، الکسر سے مغرب کی جانب تین سو میل کے فاصلہ پر خارغا کا نخلستان ہے، وہان اثریات کی یہ ماہر خاتون ہر سال چار مہینے قیام کرتی ہے اور دو سو آدمیون کو کام پر لگا کر ریگستان اور پہاڑون کو کھدواتی ہے، اس کھدائی مین سنگ چقماق کے ایسے آلات برآمد ہوئے ہین، جو اب سے ہزارون سال پیشتر وہان مستعمل تھے، لیکن سب سے زیادہ اہم انکشاف جو مس ٹامسن نے کیا ہے وہ بعض چشمے ہین جو لاپتہ ہو گئے تھے، مس ٹامسن کی ایک ہمسفر مس گارڈنر کا بیان ہے کہ ہم ایسے چشمون کا پتہ لگانا چاہتے تھے جنکی نسبت ہمین یقین تھا کہ وہ پہلے وہان موجود تھے اور ہم نے نہ صرف اُن چشمون کو معلوم کر لیا، بلکہ اُن آدمیون کے تمام حالات بھی بہت کچھ دریافت کر لئے، جو زمانہ قبل تاریخ مین وہان آباد تھے، تاریخ مصر کے قدیم ترین دور سے بھی بہت پہلے لوگ صحرائے لیبیا سے آکر ان چشمون کے کنارے ٹھہرتے تھے، وہ زراعت کے طریقون سے نا آشنا تھے، اور پتھر کے بھدے آلات سے شکار کر کے اپنی زندگی بسر کرتے تھے، پیلیولتھک (PALEOLITHIC) عہد مین یہ نخلستان بہت سیراب رہا ہوگا، کیونکہ وہان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام ایک مدت تک آباد تھا کوئی انسانی ڈھانچہ نہین ملا، اس لئے نہین کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کس قسم کے تھے اوس کے بعد نیولتھک (NEOLITHIC) عہد مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمے

خشک ہونا شروع ہوئے اور کچھ دنون بعد بالکل خشک ہوگئے، اس وقت سے چھٹی صدی قبل مسیح تک اون کے حالات سے ناواقفیت ہے، اس صدی مین ایرانیون نے وہان پہنچکر ایک کنوان کھودا اور پھر اہل رومہ بھی آئے؛"

نقص بصارت کا علاج

امریکہ کے ڈاکٹر بیٹس (BATES) نے بارہا تجربہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ بینائی کی کمی عینک کی مدد کے بغیر بھی پوری ہوسکتی ہے، نقص بصارت کے علاج پر جو کتاب اونھون نے لکھی ہے، اُس مین اوسکے مختلف طریقے بیان کئے ہین، جنمین سے چند حسب ذیل ہین:-

(۱) جلد جلد پلک مارنا، یہ طریقہ نظر کے لئے مفید ثابت ہوا ہے، بار بار بند کرنے سے آنکھون کو آرام ملتا رہتا ہے، اگر بغیر پلک مارے ہوئے کوئی چیز دیکھی جائے یا کوئی عبارت پڑھی جائے تو صاف نظر نہ آئے گی،

(۲) قوت بینائی کی جانچ کیواسطے جو حروف جلی خط مین لکھے ہوتے ہین، اونھین دس فٹ سے بیس فیٹ تک کے فاصلے سے ہر روز پڑھنا چاہئے، ایسا کرنے سے نہ صرف آنکھ کی روشنی قائم رہتی ہے، بلکہ بہتر بھی ہو جاتی ہے،

(۳) گہرے رنگ کے شیشہ کی عینک سے آنکھون پر بہت زور پڑتا ہے، ایسی عینک استعمال کرنے والون کی آنکھون سے جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے، آنکھون کو اپنی قوت باقی رکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے، جو لوگ معمولی روشنی بھی نہین برداشت کرسکتے، اونھین چاہیے کہ روز صبح کو پلک بند کرکے پانچ سے پندرہ ۱۵ منٹ تک بند آنکھین، آفتاب کے مقابل رکھین، ایسا کرنے سے یہ شکایت جلد رفع ہو جائے گی،

(۴) بینائی کی کمزوری دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پلک بند کرکے آنکھون پر ہتھیلی رکھی جائے، لیکن لیکن اس طرح کہ ہتھیلیون پر کسی طرح کا بار نہ پڑنے پائے، پھر کسی خوشگوار شے کا تصور کیا جائے، مثلاً پھول، آنکھون کو یون پانچ منٹ تک بند رکھا جائے، اوسکے بعد وہی جلی حروف پڑھے جائین، یہ حروف بہت صاف نظر آئینگے، لیکن جلد ہی وہ دھندلے معلوم ہونے لگین گے، جب پھر دھندلے معلوم ہونے لگین، تو آنکھون کو اوسی طرح پانچ

منٹ تک پھر بند رکھا جائے کم سے کم پانچ بار ایسا ہی کیا جائے، یون کچھ دنون کے بعد روزانہ مشق کرنے سے نظر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی،

اکس رے "غسل"

نیویارک کے میموریل ہسپتال مین اکس رے سے "غسل" کا ایک طریقہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے ایک طویل عرصہ تک مریض کے تمام جسم پر اکس رے کی شعاعین پڑتی رہتی ہین، یہ طریقۂ علاج ان لوگون کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، جو تو ڑی (TUMOURS) کے مریض ہین، اس ہسپتال مین ایک اکس رے مشین کے گرد چار پلنگ رکھے گئے ہین، یہ مشین ہمہ وقت کام کرسکتی ہے، مریضون کو پلنگ پر لٹا کر ان شعاعون سے "غسل" دیتے ہین، ڈاکٹر فائلا (DR. FAILLA) کا جنھون نے امریکہ کی انجمن ترقی سائنس کے سامنے اس طریق علاج کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، خیال ہے کہ ابھی اسکی کامیابی کے متعلق کوئی صحیح رائے نہین قائم کی جاسکتی، تاہم تجربے سے اتنا معلوم ہوا ہے، کہ جن مریضون کو معمولی اکس رے کے علاج سے کوئی فائدہ نہین ہوا تھا، انھین اس جدید "غسل" سے شفا ہوگئی، انسانون کے علاوہ جانورون پر بھی یہ طریقہ استعمال کیا گیا، اور مفید ثابت ہوا، چنانچہ بعض چوہون کو جنھین تو ڑی کی شکایت تھی، چند ہفتہ تک ان شعاعون کے سامنے رکھا گیا، جس سے اون کو بہت فائدہ ہوا،

دو سو پچاس ۲۵۰ میل فی منٹ کی پرواز

جرمنی مین پروفیسر کٹش بیک (KUTSCHBACK) نے ایک راکٹ پلین (ایک نئے قسم کا ہوائی جہاز) ایجاد کیا ہے، جس کے متعلق اون کا دعویٰ ہے، کہ وہ دو سو پچاس ۲۵۰ میل فی منٹ کی رفتار سے پرواز کرے گا، یعنی برلن سے نیویارک تک پندرہ ۱۵ منٹ مین پہنچ جائے گا، معترضین کا خیال ہے کہ ایسے ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے زندہ نہ رہ سکین گے، اگر یہ (۲۵۰) میل فی منٹ کی رفتار سے روانہ ہوا تو مسافر کو بالکل

بے حس و حرکت کر دے گا، یہ ساٹھ سو میل کی بلندی پر پرواز کرے گا، لیکن اگر اسی رفتار سے پست تر فضا میں اُترے گا تو مختلف فضاؤن کی رگڑ سے بیحد گرم ہو جائے گا، اور انسان کو بالکل جلا ڈالے گا، علاوہ برین (۲۵۰) میل کی رفتار سے اگر یہ جہاز زمین پر اترے گا، تو اس کا ہر مسافر نیست و نابود ہو جائے گا، موجد نے ان اعتراضات کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ جہاز نہ تو اپنی انتہائی رفتار سے روانہ ہوگا، اور نہ اس رفتار سے زمین پر اترے گا، راکٹ اور اوترنے کے وقت یا اپنے دو بازو پھیلا دے گا، جس سے رفتار کم ہو جائے گی، نیز اوترنے کے وقت، اُس کی ٹانک سے گیس بھی خارج ہوتی رہے گی، جس سے رفتار اور کم ہو جائے گی، پروفیسر موصوف کی طرح جرمنی مین اور لوگ بھی اس قسم کے ہوائی جہاز کی تیاری مین مصروف ہین، دوسرے ممالک مین بھی درجنون آدمی راکٹ بین کے مسئلہ پر غور کر رہے ہین، اور ایسے راکٹ بین تو تیار بھی ہوگئے ہین جو زمین سے ساٹھ میل کی بلندی پر دو منٹ سے کچھ ہی زیادہ مدت مین دو ہزار میل پرواز کر چکے ہین،

دستورِ عشاق کا ایک قلمی نسخہ

برٹش میوزیم مین مخطوطاتِ مشرقی کے شعبہ نے حال مین "دستورِ عشاق" کا ایک نایاب قلمی نسخہ حاصل کیا ہے، جہان تک معلوم ہے محمد یحییٰ نیشاپوری کی مثنوی کا یہ تنہا قلمی نسخہ ہے، جو اب تک محفوظ ہے، محمد یحییٰ زیادہ تر اپنے تخلص فتاحی سے مشہور ہین، یہ کتاب محمود بن محمد التبریزی خوشنویس کے ہاتھ کی نہایت خوبصورت خط مین لکھی ہوئی ہے، سنہ کتابت ۸۸۷ ہجری مطابق ۱۴۸۲ء ہے، اس نسخہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے انتقال کے ۳۰ ہی سال بعد کا لکھا ہوا ہے، "دستورِ عشاق" کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اوس کا ایک خلاصہ نثر مین ہوا ہے، اور بعض ترک شعرا نے اس کے مضمون سے اخذ کیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

پیامِ اقبال بملتِ کہسار

ڈاکٹر سر اقبال نے حسب ذیل نظم ملتِ کہسار (افغانستان) کے نام ۴ مارچ ۱۹۳۲ء کو لکھکر بھیجی تھی، اور یہ جون کے رسالہ "کابل" مین چھپکر شایع ہوئی ہے، اور ہم اوسکو معاصر موصوف سے مستعار لیکر یہان شایع کرتے ہین،

صبا بگوے بافغانِ کوہسار از من | بمنزلے رسد آن ملتے کہ خود نگر است
مرید پیر خراباتیانِ خود بین شو | نگاہِ او ز عقابِ گرسنہ تیز تر است
ضمیرِ تست کہ نقشِ زمانہ تو کشد | نہ حرکتِ فلک است این، نہ گردشِ قمر است
دگر بسلسلۂ کوہسارِ خود بنگر | کہ تو کلیمی و صبحِ تجلیٔ دگر است
بیا بیا کہ بدامانِ نادر آویزیم | کہ مردِ پاک نہاد است و صاحب نظر است
یکے ست ضربتِ اقبال و ضربتِ فرہاد | جز این کہ تیشۂ ما را نشانہ بر جگر است

کلامِ طاہر

از

جناب شمس العلما رضی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان صاحب طاہر بھوپال ہاؤس لکھنؤ،

دلا کے شوقِ دلِ مبتلا نے لوٹ لیا | دکھا کے راہ مجھے رہنما نے لوٹ لیا

شکیب و ضبط کسی کی حیا نے لوٹ لیا، جو بچ رہا تھا وہ ناز و ادا نے لوٹ لیا
دلِ رمیدہ کو زلفِ دوتا نے لوٹ لیا بچھا کے دامِ بلا کو بلا نے لوٹ لیا،
نہ بن پڑی کوئی تدبیر دل بچانے کی حیا نے چھوڑ دیا تھا، ادا نے لوٹ لیا،
ہر اک قدم پہ رہِ عشق مین رہا نا کام مجھے تو اس دلِ بے مدعا نے لوٹ لیا
ادھر تو ہم رہے تاثیرِ آہ پر نازان، ادھر اثر کو عدو کی دعا نے لوٹ لیا
اب آنسوؤن مین کہان خونِ دل کی رنگینی تمام رنگ کو دزدِ حنا نے لوٹ لیا
ہنوز ہونے نہ پائے تھے مہربان مجھ پر نگاہِ لطف کو شوقِ جفا نے لوٹ لیا

رہا نہ پرسشِ روزِ جزا کا غم طاہرؔ،
مرے گناہون کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

کلامِ شاد

از

حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم

ترے انتظار مین جب مری چشم باز ہوگی وہی دن طویل ہوگا وہی شب دراز ہوگی
یہ ادا یہ اون کا منا یہی کہہ رہا ہے مجھے کہ جفا بھی اب جو ہوگی تو بشکلِ ناز ہوگی
یہان خون کرے شبِ غم کہ شاد دل ہزارون وہان ہوگا دور اسی کا یہی سرفراز ہوگی
نہ کرین گے آنسو نہ ملیگا اب وضو کو پہ، نہ وضو تمام ہوگا نہ مری نماز ہوگی
یہ غضب کی قید دیکھو کہ جو بات بر ملا ہو مرے کان تک پہنچکر وہی بات راز ہوگی
نہین دیکھتا ہون جو دم تم سے لئے ہو نعمت کہین جا کے مدتون پر یہی چشم باز ہوگی
اسی آرزو مین اب تک مین جفائین سہہ رہا ہون کہ جفا جو ہوگی اسکے تو وہ دل نواز ہوگی

آثارِ علمیہ و ادبیہ

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوبِ گرامی

از مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب، سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور،

اوراقِ پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یون تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی ہے، خاندانی اور پرانے گھرون مین اب تک سیکڑون ایسی چیزین موجود ہین جنکو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحبِ تحقیق و تدقیق کے لئے اضافۂ معلومات، نیز نئے ابوابِ پرنجش و تجسس کے دروازے کھل جائین، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگون کے لئے سرمایۂ فخر و نازش تھین، اور جنکے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی مین پڑے ہوئے ہین، انکا انکشاف و اظہار دونون کے لئے باعثِ تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہین بھی تو معدودے چند اور اگر کہین نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعون کی اشاعت تو علحدہ چیز ہے، کسی کو دکھانا تک پسند نہین فرماتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابین اور خطوط الماریون اور صندوقون مین پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا یا آگ کی نذر ہو جاتے ہین،

یون تو ہمارے ہان کے نادرات بھی تلف ہو گئے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ مین ہوش سنبھالتے ہی ان قابلِ قدر یادگارون کو سینے سے لگانے لگا، قلمی کتابین اور پرانے خطوط جہان بھی پاتا بحفاظت تمام رکھ چھوڑتا، رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور آخر کار ان قدیم کتابون اور خطون کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا، چنانچہ انھین ذخائر مین ایک تاریخی خط بھی مل گیا، جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یون تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہر کہ جو کچھ بھی اُکی تصنیف و تالیف کا ملجائے ہم لوگون کیلئے باعث صد نازش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیاے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے، آپ جیسے متقدمین و متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جسمین وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہین کیون نہ قابلِ قدر و لائق عمل ہو،

اس لیے مین اربابِ اثر و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس نمیقۂ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہون :-

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بنام احمد یار خان صاحب ساکن کنج گھگرا،

"از فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد، کہ عنایت نامۂ سامی بار دیگر در مقدمۂ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ، انچہ درین باب معمول فقیر است می نویسد از ہمین جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد میشود یکے مجلس ذکر وفات شریف، دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام درروم روز عاشورا یا یکروز دو روز پیش ازین قریب چہار صد یا نصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند، و درود میخوانند بعد ازان کہ فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و انچہ در احادیث اخبار شہادت این بزرگان و بدنامی قاتلان ایشان وارد شدہ نیز مذکور میشود و باین تقریب بعضے شدائد کہ بر جناب ایشان گذشتہ از روے احادیث معتبر بیان کردہ میشود، وہم درین ضمن مرثیہا نیکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدہ اند نیز مذکور میشود، بعد ازان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ، بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید، و درین وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیۂ مشروع شروع میکند، اتفاق شنیدن می شود، و ظاہر است کہ درین اگر حضار مجلس را و این فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود، پس اگر این چیز ہا نزد فقیر بہمین وضع جائز نمی بود اقدام بران اصلا نمی کرد، و انچہ امور دیگر نامشروع است تا حاجت بیان ندارد، و امام شافعیؒ می فرماید لو کان رفضاً حبُّ آل محمد فلیشھد

الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ برنگارد،

مہر: ۱۱۸۹ ہو العزیز الولی الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگ ہین اس کا مجھے پتہ نہ ملا اور نہ اس کی تحقیق کی چندان ضرورت ہو، مقصد تو ایک مقدس ہستی کے خط اور عمل سے ہے، جو اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہو رہا ہے، کہ آپ کے ہان مجلس عزا اور مجلس وفات ہر سال قائم ہوتی تھی جسمین محدث علیہ الرحمۃ خود بنفس نفیس بیان فرماتے تھے، نیز سلام اور مرثیۂ مشروع بھی سنتے تھے،

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان القرآن جلد اول

تالیف مولانا ابو الکلام ضخامت ۵۵۰ صفحے قیمت چھ روپے، پتہ : دفتر ترجمان القرآن دریا گنج دہلی،

بلقنہ اسٹور روڈ کلکتہ،

واقعات کی رفتار پر جن لوگون کی نظر ہے، ان کو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین روز بروز قرآن مجید اور خالص قرآن مجید کی طرف توجہ بڑھتی جاتی ہے، اور اسکو سمجھنے اور اس مین غور و فکر کرنیکا میلان ترقی کر رہا ہے، مگر ایک طرف اگر قرآن صرف عمل اور نصیحت پذیری کے لئے پڑھا جائے، تو وہ نہایت آسان ہے لیکن دوسری طرف اگر نکتہ آفرینی اصول فہمی اور استنباط مسائل کے لئے پڑھا جائے تو وہ نہایت دقیق و عمیق ہے گو عام مسلمانون کیلئے صرف پہلی حیثیت سے اوس کا پڑھنا اور سمجھنا کافی ہے، مگر نکتہ آفرینی اور کاوش و تفلسف کے خوگر مسلمان اپنی تسکین و تشفی کے لئے ہر حکم کی گہرائی اور ہر آیت کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہین، مگر ظاہر ہے کہ

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا،
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

آج کل افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض کوتاہ نظر مسلمانون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف نصیحت پذیری کیلئے بلکہ نکتہ آفرینی اور استنباط مسائل کے لئے بھی نہایت آسان ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہر کہ و مہ قرآن کی ہر آیت کے متعلق بکمال جرأت داد تحقیق دینے کیلئے تیار نظر آتا ہے، اور اوراق کی سیاہی مین اپنے دل کی

کا مظاہرہ کرتا ہے،

اسمین کوئی شبہہ نہین ہے کہ نوجوان مسلمانون مین قرآن پاک کا ذوق مولینا ابو الکلام کے الہلال والبلاغ نے [illegible] کیا، اور جس اسلوب بلاغت کمال انشا پر [illegible] کے ساتھ اونھون نے انگریزی خوان نوجوانون کے سامنے [illegible] کھول دیے [illegible]

[illegible] قرآن پاک کے [illegible] و مطالب کی بلندی اور [illegible]

ضرورت تھی کہ اسی مؤثر قلم سے قرآن پاک [illegible]

بینش اور افزایش بصیرت کا سر و سامان اردو مین میسر آئے، ۱۹۱۱ء سے شائقین کا اصرار تھا، اور خود مولانا کی [بھ]ی خواہش تھی کہ وہ قرآن پاک کا ایک ترجمہ اور ایک تفسیر لکھین اور مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹۱۲ء مین سب سے پہلے مین ہی نے مولانا [کے] سامنے ترجمہ و تفسیر دونون کے درمیان کی چیز "تفسیری ترجمہ" کی تحریک کی یعنی ایک ایسا مطلب خیز ترجمہ جو گو طرز لفظی [ہو مگر ا]ن لفظون سے الگ بھی نہ ہو، اور ساتھ ہی حسب موقع توضیحی و تشریحی الفاظ بھی اوس کے ساتھ ساتھ ہون [ا]لفاظ و عبارت اور ضخامت اور مولانا کی قلت فرصت کے لحاظ سے مختصر اور ممکن بھی تھی، اور شائقین کی

[illegible] اس سورہ کے تم الکتاب [illegible]

[مس]ائل اور اصول دین پر ایک تبصرہ ہو جاتا ہے، خصوصاً قرآن پاک کے طرز استدلال، [...]ت کے آثار و دلائل اتنی تفصیل سے لکھے ہین، کہ مصنف کی وسعت علم و نظر کی داد [...]م غزالی نے الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالی مین اور ابن قیم نے مفتاح دار السعادۃ مین [...]ے زیادہ بسط و تشریح و مقتضیات زمانہ کی مطابقت سے ترجمان القرآن مین [...]ل توحید نیز تحقیق بالحق، الہدی اور الدین کی مصنف نے جو قرآنی تشریحین کی ہین [...]ی طرف ایمان پرور ہین،

[...]ج تک جس لفظ نے ہوا پرستون کو سب سے زیادہ گمراہ کیا ہے وہ فطرۃ اللہ [...]

کا لفظ ہے ضرورت تھی کہ مولانا اسکی حقیقت کو بھی واضح فرماتے، اور یہ بھی دل چاہتا تھا کہ مصنف
اور آثار رحمت جیسے سیر حاصل اور پرمعنی مباحث لکھے ہین ویسے ہی یوم الدین اور مالک یوم الدین پر
ہوتی تاکہ ترازو کے دونون پلّے برابر رہتے،

سورۂ بقرہ سے لیکر انعام تک کی تفسیر نہین، بلکہ تفسیری ترجمہ ہے، اور اسی کا نام ترجمان القرآن ہے
یہ کیا ہے کہ اول ہر مضمون کو اختصار کے ساتھ حاشیہ مین ایک کنارہ لکھ دیا ہے، پھر اوپر آیت لکھکر نیچے صفحہ مین
لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے لئے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمۂ قرآن پیشِ نظر ہے، یہ تو مشکل ہے
سے ہر مقام پر اتفاقِ رائے کر سکے، تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ صحیح دلنشین مؤثر اور باوقار ہے،

ترجمان القرآن وقت کی اہم چیز ہے، ضرورت ہے کہ اوسکو گھر گھر پھیلایا جائے اور نوجوانون کو اوس کے
مطالعہ کی ترغیب دی جائے، اور ہر اسلامی دار المطالعہ مین اوس کا ایک نسخہ منگوا کر رکھا جائے مولانا سے بھی عرض
کہ وہ اس ضروری تالیف کی تکمیل کو اپنی عمر کا اہم کارنامہ سمجھین، اور دوسرے کامون سے وقت بچا کر
تمام تک پہنچائین، اور ہمین اون کے ایک گرامی نامہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بقیہ جلدین بھی کتابت اور
جاری ہین

س

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب مین اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کر کے
دوسرے قومون کے قوانین جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر تبصرہ
ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شبہات
ضخامت ۴۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ قیمت للعہ

ہو گیا ہے کہ قرآن
نتیجہ یہ ہے کہ ہر کو دم
مین اپنے دل کی

مطبوعات جدیدہ

یورپ مین دکھنی مخطوطات — از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی حجم ۴۷۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صہ مؤلف سے تلجا گوڑہ، ترپ بازار، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی اردو علم و ادب کی تاریخ کی ایک کڑی "دکن مین اردو" پیش کر کے اردو کے قدردانون سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہین، موصوف نے اوسی تالیف کی تکمیل کیلئے دکھنی زبان کے مخطوطات پر معلومات بہم پہنچانا شروع کیے، اور اسی سلسلہ مین اونہین اون دکھنی مخطوطات کی تفصیلات معلوم کرنے کا شوق ہوا جو یورپ کے مختلف کتب خانون مین محفوظ ہین اور جن کا سب سے پہلا تذکرہ معارف کے صفحات پر مولینا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے سفرِ انگلستان کے زمانہ مین کیا تھا، چنانچہ مؤلف نے حکومت سرکار نظام حیدرآباد سے امداد لے کر یورپ کا سفر کیا، اور وہان کے مشہور کتب خانون سے دکھنی مخطوطات کا عطر کشید کیا، اور اب یہی کشید اس مجموعہ "یورپ مین دکھنی مخطوطات" مین پیش کی گئی ہے، افسوس ہے کہ مولف کو وہان قیام کا مزید موقع نہ مل سکا، کہ وہ جرمنی وغیرہ کے کتب خانون سے بھی استفادہ کرتے اور یہ مجموعہ صحیح معنون مین "یورپ مین دکھنی مخطوطات" سے موسوم ہو سکتا، کتاب مین سب سے پہلے ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری کا ایک مختصر مقدمہ ہے، پھر مولف کا دیباچہ ہے اور اوس کے بعد مخطوطات کا تذکرہ آتا ہے جو مختلف تاریخی دور "قطب شاہی" "عادل شاہی" "دور مغلیہ" "میسور" "ارکاٹ" اور "دور آصفی" وغیرہ مین تقسیم کر کے تاریخ وار پیش کیے گئے ہین، ان مین سے اکثر مضامین "خاور نامہ" "عادل شاہی عہد مین دکھنی مخطوطات" اور "ارکاٹ کے دکھنی مخطوطات"

وغیرہ وقتاً فوقتاً معارف کے صفحون مین شائع ہوتے رہے ہین، اس لئے اس کتاب کے بکثرت نمونون سے ناظرین معارف پہلے سے آگاہ ہین، کتاب کے آخر مین مختلف فہرستین بہ ترتیب حروف تہجی منسلک کیگئی ہین، جناب ہاشمی نے اپنی ان تحقیقات و انکشافات سے اردو تاریخ کی بڑی خدمت انجام دی ہے،

پنجاب کی فصلین و سبزیات

:- مترجمہ جناب چودھری ظفر عالم صاحب، بی ایس سی اگریکلچر اسسٹنٹ زراعتی کالج لائل پور حجم ۸۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عمر، پتہ:- دی سول اینڈ ملیٹری گزٹ پوسٹ بکس نمبر ۳۰۹، لاہور،

مسٹر ڈی ملن، سی، ای، ائی ای ایس، ڈائرکٹر محکمۂ زراعت پنجاب اور جناب خانصاحب علی محمد اکل سیکشن باٹنسٹ حکومت پنجاب لائل پور، نے باہمی اشتراک سے ایک کتاب انگریزی زبان مین "فیلڈ اینڈ گارڈن کراپس آف دی پنجاب" لکھی تھی، جناب چودھری ظفر عالم صاحب بی ایس سی نے ان مصنفین کے ایمار سے اسکو اردو مین "پنجاب کی فصلین و سبزیات" کے نام سے منتقل کیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، جن مین اولاً مختلف موسمون کی مختلف فصلین بیان کی گئی ہین، پھر غلون ترکاریون اور سبزیون کی کاشت کے طریقے اور نگہداشت وغیرہ کے معلومات وہدایات درج ہین، اس کے بعد ایک زراعتی کیلنڈر مرتب کیا گیا ہے جس مین غلون اور ترکاریون پر مختلف فصلون مین جو مختلف عمل کئے جاتے ہین اون کا ماہانہ نقشہ مرتب کیا گیا ہے، پھر فصلون اور ترکاریون کو جو مختلف بیماریان لگ جاتی ہین اون کی اصلاح کے مختلف نسخے اور طریقے درج کئے گئے ہین، سب سے آخر مین ایک باب متفرقات ہے، جس مین مختلف زرعی معلومات مثلاً طاقت روئیدگی کی دریافت کا طریقہ، زرعی آلات اور کلین، زرعی اشیاء کے اجزائے کیمیائی اور اسی طرح مختلف ضروری اوزان اور پیمانے اور مختلف مفید اعداد و شمار درج کئے گئے ہین، اس مین شبہہ نہین کہ یہ زرعی معلومات کا ایک اچھا مجموعہ ہے، اور فن زراعت کے مستند ماہرین پر اسکی صحت کی ذمہ داری ہے، اس لئے اس سے فائدہ اوٹھانا چاہئے، ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، لیکن فصلون، ترکاریون کے نامون اور زرعی اصطلاحون کو کہین کہین پنجابی نامون اور اصطلاحون مین ادا کیا گیا ہے، اگرچہ یہ رسالہ خصوصیت سے باشندگان پنجاب کے لئے لکھا گیا ہے، تاہم اگر قوسین مین اون کے اردو نام

واصطلاحات بھی درج کئے جاتے تو زیادہ سہولت ہوتی، لیکن پھر بھی ایسے خالص پنجابی نامون و اصطلاحون کی تعداد نسبتہً زیادہ نہین ہے، اونکا مفہوم اس کے باوجود بھی واضح ہو جاتا ہے، اس لئے ہندوستان کے دوسرے صوبون کے زراعت پیشہ اصحاب اور زراعت سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص بھی اس سے فائدہ اوٹھا سکتے ہین،

گناہ کی دیوار

:- از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی حجم ۱۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت درج نہین، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"گناہ کی دیوار" ایک سبق آموز ڈراما ہے، جسمین ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعر مزاج، اور حساس نوجوان نرمل نامی شادی کے بعد اپنی بیوی کو ایک شاعر خیال عورت ہونے کے بجائے ہندوستان کی ایک معصوم دیبی پاتا ہے، اور اسکی طرف مائل نہین ہوتا، نرمل کے بعض احباب کامنی کو فریب سے نکال لے جاتے ہین، اور ایک چکلہ مین فروخت کرتے ہین اور پھر ایک اصلاحی انجمن کا ایک ممبر اوسکو آزاد کراتا ہے، نرمل اخبارات مین روداد دیکھ کر کامنی کو لینے آتا ہے، اور وہ "گناہ کی دیوار" حائل ہونے کی وجہ سے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے، فسانہ کا پلاٹ دلچسپ اور سبق آموز ہے، اگرچہ اختصار مد نظر ہونے کے باعث کہین کہین سے تشنہ رہ گیا ہے، ڈراما اخلاقی اور ازدواجی حیثیت سے پڑھنے کے لائق ہے،

اربعین عندلیب

از مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت درج نہین، پتہ دفتر رسالہ واعظ حیدرآباد دکن،

"اربعین عندلیب" ایسی چالیس حدیثون کا مجموعہ ہے، جو کھانے پینے اور دعوت و ضیافت سے متعلق ہین، مرتب نے احادیث کے مفہوم کو اردو مین نظم کیا ہے، جو ہر حدیث کے نیچے مکتوب ہے،

ہمارا دین

مولفہ جناب سید نوب علی صاحب رضوی ایم اے جونا گڈھ حجم ۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۲ر پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی،

مصنف نے اس مین نو مسلمون کو آسان طریقے سے اسلام کی حقیقت سمجھائی ہے، اسمین پہلے کلمۂ طیبہ پھر ایمان مفصل "برکات اسلام" اور "تعلیم اسلام" کے عنوانون سے اسلام کی تعلیمات اور اوس کے ارکان خمسہ کو عام فہم اور سلیس

زبان مین لکھا گیا ہے،

دربارِ رسالت از مولوی فضل اللہ خان صاحب شاہجہانپوری، ناظم مدرسہ ہاشمیہ بمبئی حجم ۲۶ صفحے تقطیع چھوٹی

کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی بچون کے مناسب قیمت ۸ مولف سے مدرسہ ہاشمیہ بمبئی نمبر ۳ کے پتہ سے مل سکتی ہی

اس رسالہ مین آنحضرت صلعم کے سوانح مبارک عام فہم اور سلیس انداز مین اسلامی مدارس کے طلبہ کیلئے لکھے گئے

ہین، رسالہ کی ترتیب اچھی ہے، اولاً اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت وغیرہ بیان کی گئی ہے، پھر آنحضرت

صلعم کی پیدائش سے وفات تک کے حالات ہین، اس کے بعد ایک باب مین اخلاق نبوی کا تذکرہ ہے، اور پھر اسلامی تعلیمات

اور اسکی حقیقت و حکمت بیان کی گئی ہے، اور سب آخر مین "آنحضرت صلعم اغیار کی نگاہون مین" کے عنوان سے مختلف غیر مسلم

اکابر کی رائین آپ کے متعلق درج کی گئی ہین، کتاب مدارس مین پڑھانے کے لائق ہے،

شروط الائمۃ الستہ (عربی) تصنیف حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی حجم ۱۲ صفحے، مجلس اشاعۃ العلوم

شبلی گنج حیدرآباد دکن،

زیرِ نظر رسالہ مین حافظ مقدسی نے ائمہ ستہ یعنی امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ

کے وہ شرائط بیان کئے ہین، جن کے ماتحت اون کی کتابون مین حدیثین اخذ کی گئی ہین، اور اسی سلسلہ مین اون

مختلف ائمہ کے مختلف شرائط کے باہمی فرق کو بھی دکھایا ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن علم حدیث کے طلبہ و اساتذہ

کیلئے اس کا مطالعہ مفید اور مناسب ہوگا،

الوسیلۃ العظمی (عربی) از مولوی سید غلام محمد برہان الدین قادری حجم ۲۶ صفحے، قیمت ۳ مجلس

اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن

رسالہ الوسیلۃ العظمی مجلس میلاد مین ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنے کے اثبات مین لکھا گیا

ہے، جس مین اولاً قیام کرنے کے خلاف بیان کردہ دلائل کی تردید کی گئی ہے، اور پھر اپنے نقطہ نظر سے قیام کے

اثبات کے دلائل دئے ہین،

"س"

جلد ۳۰ ماہ رجب ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۲ عیسوی عدد ۵

مضامین